# خانقاہِ نوابیہ عزیزیہ میں
# شعری روایت

شمائلہ صدف عزیزی

دبستانِ نوابیہ عزیزیہ
پبلیکیشنز

# خانقاہِ نوّابیہ عزیزیہ میں

# شعری روایت

مولفہ
شمائلہ صدف عزیزی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں



| | |
|---|---|
| نام کتاب | خانقاہِ نوابیہ عزیزیہ میں شِعری روایت |
| مولفہ | شمائلہ صدف عزیزی |
| نظرِ ثانی | سیّد محمّد نورالحسن نور نوابی عزیزی |
| تزئین کار | آصف عزیزی نوّابی |
| حرف کار | وقار عزیزی نوّابی |
| ناشر | دبستان نوابیہ عزیزیہ پبلیکیشنز<br>dabistanenawwabiya@gmail.com<br>www.dabistanenwwabiya.com |
| صفحات | 220 |
| قیمت | 350 روپے |
| تعداد | 1000 |
| سن اشاعت | فروری 2022ء |

تقسیم کار

آستانہ عالیہ نوابیہ

قاضی پور شریف، پوسٹ منڈوہ، ضلع فتحپور ہسوہ یو۔پی۔(انڈیا) پن کوڈ۔212653

برائے رابطہ

+919415494492 +919426268823

+918866222412 +919726880001

# فہرست


| | | | |
|---|---|---|---|
| 1 | حرفے چند | سید محمد مجیب الحسن نوابی عزیزی | 4 |
| 2 | قطعۂ تاریخ | عروس فاروقی | 8 |
| 3 | حرف آغاز | شمائلہ صدف عزیزی | 9 |

| | | | |
|---|---|---|---|
| 1 | خانقاہی نظام، تعریف و تاریخ | شمائلہ صدف عزیزی | 12 |
| 2 | خانقاہی نظام کی افادیت | ,, ,, ,, | 22 |
| 3 | فروغ زبان و ادب اردو میں خانقاہوں کا کردار | ,, ,, ,, | 35 |
| 4 | خانقاہ نوابیہ عزیزیہ، ایک تعارف | ,, ,, ,, | 42 |
| 5 | بانیٔ خانقاہِ نوابیہ عزیزیہ | ,, ,, ,, | 44 |
| 6 | سجادہ نشین (حضرت سید محمد عزیز الحسن شاہ نوابی) | ,, ,, ,, | 49 |
| 7 | خانقاہ نوابیہ عزیزیہ میں شعری روایت | ,, ,, ,, | 52 |
| 8 | خانقاہ نوابیہ عزیزیہ کے چند شعرا | ,, ,, ,, | 55 |
| | حضرت سید محمد عزیز الحسن عزیزؔ شاہ نوابی | ,, ,, ,, | 56 |
| | سید محمد نور الحسن نور نوابی عزیزی | ,, ,, ,, | 80 |
| | سید محمد مجیب الحسن مجیب نوابی عزیزی | ,, ,, ,, | 103 |
| | شیخ محمد الیاس انجم نوابی | ,, ,, ,, | 120 |
| | یاور وارثی عزیزی نوابی | ,, ,, ,, | 142 |
| | حبیب احمد سرور عزیزی نوابی | ,, ,, ,, | 163 |
| | مولانا حافظ کفیل احمد کفیل عزیزی نوابی | ,, ,, ,, | 185 |
| 9 | "مژدۂ رحمت" ایک جائزہ | ,, ,, ,, | 217 |

# حرفے چند

برصغیر ہند و پاک کی بیشتر خانقاہوں سے خلوص وللّٰہیت کے ساتھ ذوق شاعری بھی 'سطوت غرناطہ' و 'شوکت بغداد' کی طرح تقریباً رخصت ہو چکا ہے۔ کاش یہ موروثی مسند نشین اتنا ہی خیال کر لیتے کہ شاعری ان کے اجداد روحانی کے واردات قلبی کا ذریعۂ اظہار تھی۔ ایک شاعری ہی کیا کئی روحانی مراکز میں صوفیائے کرام کی دیگر تصانیف کے نہ جانے کتنے قلمی نسخے منتظر اشاعت ہیں مگر انہیں پوچھتا کون ہے؟ اور وہ تصانیف بھی جو عربی و فارسی زبان میں لکھی گئیں اور شایع بھی ہوئیں ان کا بھی عصری تقاضوں کے مطابق زبان اردو میں منتقل کروانے کا کام بھی دو چار خانقاہوں کے علاوہ اور کہیں نظر نہیں آتا۔ جب صاحبان مسند ارشاد کی موجودہ روش یہ ہے کہ تصنیف و تالیف کا کام ہی ان کے حصے میں نہیں آیا اور ان کا مذاق شعری محافل سماع و میلاد خوانی تک محدود ہے تو پھر شعر کی قدر ان سے کیا ہوگی؟ اور جب شعر کی قدر ہی نہ ہوگی تو شعرا ان کے متوسلین میں کیوں شامل ہوں گے؟ بہ الفاظ خواجہ حافظ

رندان تشنہ لب را آبے نمی دہد کس
گویا ولی شناساں رفتند ازیں ولایت

ایک اور بات قابل غور ہے کہ عہد حاضر میں ہی نہیں دور پیشین میں بھی خانقاہوں سے وابستہ شعرا کے حالات کم ہی قلم بند کیے گئے ہیں اس کی وجہ جو بھی ہو بہ ہر حال حقیقت یہی ہے کہ اس باب میں لکھنے والوں نے بخل سے کام لیا ہے۔ اوروں کا تو ذکر ہی کیا یہ بھی ایک طرفہ تماشہ ہے کہ اردو شعرا کے ابتدائی تذکرے لکھنے والے

کئی افراد کسی نہ کسی خانقاہ سے وابستہ تھے۔ فہرست سازی میرا مدعا نہیں یہاں صرف چند اسمائے مصنفین پر اکتفا کروں گا۔

صاحب تذکرۂ ریختہ گویاں سید فتح علی حسینی گردیزی (ان کا ذکر میں نے کتاب انعطاف کے دیباچے میں بھی کیا ہے) سلسلۂ صابریہ چشتیہ سے منسلک ہیں۔

صاحب تذکرۂ شورش سید غلام حسین شورش عظیم آبادی، حضرت رکن الدین عشق عظیم آبادی ابو العلائی سے نسبت ارادت رکھتے ہیں۔

صاحب مجموعۂ نغز حکیم میر سید قدرت اللہ قاسم قادری۔ جیسا کہ اس کے نام کے ساتھ قادری کا لاحقہ اس امر پر دال ہے کہ وہ سلسلۂ قادریہ سے منسلک ہے۔

شیفتہ کے تذکرۂ شعرا ''گلشن بے خار'' کا جواب لکھنے والا مصنف صاحب ''گلستان بے خزاں'' میر قطب الدین باطن اکبر آبادی، حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاں کے پوتے غلام نصیر الدین عرف کالے میاں کا مرید ہے۔

اور خود صاحب ''گلشن بے خار'' نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ نے یکے بعد دیگرے سلسلۂ نقشبندیہ میں تین بزرگوں سے فیض حاصل کیا اور آخر میں حضرت عبد الغنی محدث دہلوی مجددی سے سند خلافت بھی حاصل کی۔

مزید تفصیلات کا یہ موقع نہیں ان ناموں کے ذکر کا مقصد ناظرین کو یہ دکھانا تھا کہ ہمارے زیادہ تر تذکرہ نویس تصوف سے دور نہیں تھے بلکہ باقاعدہ کسی نہ کسی پیر طریقت کے دامن گرفتہ تھے۔ لیکن میری معلومات کے مطابق اٹھارویں اور انیسویں صدی تک کسی نے بھی بالالتزام کسی مخصوص سلسلۂ طریقت سے منسلک شعرا کا تذکرہ مرتب نہیں کیا۔ ماضی قریب میں لکھے گئے اس نوعیت کے چار تذکروں سے میں واقف ہوں۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری کی بارگاہ سے وابستہ شعرا کا تذکرہ "تذکرۂ شعرائے جماعتیہ" از محمد صادق قصوری۔

قادریہ سلسلے کی پنجابی شاخ نوشاہیہ کے شعرا کا تذکرہ۔

"تذکرۂ شعرائے نوشاہیہ" از سید شریف احمد شرافت نوشاہی۔ اسی سلسلۂ طریقت سے وابستہ شعرا کا ایک اور تذکرہ بھی ہے "نوشاہی شعرا" از سید ابوالکمال برق نوشاہی۔ الحاج سید وارث علی شاہ صاحب کے سلسلے سے وابستہ شعرا کا تذکرہ "تذکرۂ شعرائے وارثیہ" از میاں عطاءاللہ ساگر وارثی۔

ان کے علاوہ اس قبیل کی مزید تصانیف دستیاب ہونے کے امکانات ہیں جن میں کسی سلسلۂ طریقت یا اس کے ذیلی شعبے سے وابستہ شعرائے کرام کے حالات مع سوانحی کوائف مندرج ہوں۔ بہ ایں لحاظ پروفیسر شمائلہ صدف عزیزی کی پیش نظر تالیف "خانقاہ نوابیہ عزیزیہ میں شعری روایت" اس نوع کی ایک اور اہم کاوش کہلائے گی۔ شمائلہ صدف نے اس کتاب میں خانقاہ نوابیہ عزیزیہ کی شعری و ادبی روایت کا بھرپور تعارف و تجزیہ پیش کیا ہے۔ اور کمال سلیقہ مندی سے اس خانقاہ سے وابستہ شعرائے کرام کے حسنِ زبان و طرزِ بیان کو پرکھا اور جانچا ہے۔ علاوہ ازیں خانقاہی نظام اور اس کی افادیت، فروغِ اردو ادب میں صوفیائے کرام کا کیا حصہ رہا ہے۔ ان امور کی بابت بھی وافر معلومات اس کتاب میں فراہم کی گئی ہیں۔ مولفہ نے عیب چینی و خورد گیری سے اجتناب کیا ہے ہر شاعر کے کلام کا (بہ شمول ایں خاکسار) تحسینی اور توصیفی جائزہ لیا ہے۔ گویا پروفیسر شیرانی کے لفظوں میں جو انہوں نے صاحب مجموعہ نغز کے بارے میں لکھے تھے کہ تقریباً ہر شخص کو نیکی کے ساتھ یاد کیا ہے۔ اس کتاب میں حواشی و تعلیقات بھی نہیں ہیں مولفہ نے جہاں جہاں

ضروری سمجھا ہے اپنے ماخذ کا حوالہ متن میں لکھ دیا ہے۔ ممکن ہے کہ آگے اس وجہ سے کٹر قسم کے ناقدین اور محققین کو شمائلہ صدف سے شکایت ہو۔ اور اس کتاب کا اسلوب بھی بہ حد اعتدال دل نشیں ہے۔ آرائش گفتار تو ہے مگر اتنی بھی نہیں کہ عبارت پر فسانہ عجائب کا گمان ہونے لگے۔ اس ضمن میں حنیف نقوی کی رائے قابل لحاظ ہے:

> ''تذکرہ نگار کا اسلوب تحریر واضح اور دل کش ہونا چاہیے۔ سادگی و پر کاری کے اس امتزاج کا خیال رکھنا اس لیے ضروری ہے کہ جس طرح انشا پردازی کا مظاہرہ اور غیر ضروری رنگین نگاری و عبارت آرائی اس موضوع کی سنجیدگی کو مجروح کر دیتی ہے اسی طرح وقائع نویسی کا خشک اور بے کیف انداز بھی قارئین کی دل چسپیاں برقرار رکھنے میں ناکام رہتا ہے''۔
>
> (شعرائے اردو کے تذکرے ص ۲۹)

علی ہذا القیاس شمائلہ صدف کی یہ کتاب ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے اور مستقبل میں جب کبھی خانقاہ نوابیہ عزیزیہ کے شعرا کی تاریخ اور تذکرے مرتب ہوں گے تو یہ کتاب ایک اہم مصدر ثابت ہوگی اور ہر تذکرہ نگار یا محقق ضرور اس کتاب سے خوشہ چینی کرے گا۔

**سید محمد مجیب الحسن مجیب نوابی عزیزی**

# قطعہ تاریخ اشاعت

## باغِ نوابی اور نسیمِ شعر و ادب

۲۰۲۲ء

# خانقاہِ نوابیہ عزیزیہ میں شعری روایت

قابلِ صد داد و صد تحسین ہیں　　درگہِ نواب کے اہلِ سخن
نور جیسے نغز گو بھی ان میں ہیں　　ان میں یاور سے بھی ہیں شیریں دہن
ان نوائجوں کے نغموں کے طفیل　　درگہِ نواب ہے رشکِ چمن
مرحبا یہ کھلکھلاتا گلستاں　　مرحبا یہ جگمگاتی انجمن
اِس حوالے سے صدف کی یہ کتاب　　کارآمد چیز ہے اے اہلِ فن
فکر میں ڈوبے ہوئے ہو کیوں عروسؔ　　"اکتسابِ فیضِ نوابی" ہے سَن

۱۴۴۳ھ

ازقلم

صاحبزادہ محمد نجم الامین عروسؔ فاروقی

مونیاں شریف ضلع گجرات

# حرفِ آغاز

اردو زبان کی ترویج وارتقا کے باب میں کارفرما دیگر متنوع عوامل وعناصر کے ساتھ ساتھ صوفیائے کرام نے بھی مخصوص اور کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ جسے قطعی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ ادبی ولسانی روایات کی پاس داری کرنے والی خانقاہوں میں خانقاہ نوابیہ عزیزیہ کا نام اور مقام نہایت وقیع اور غایت درجہ اہمیت کا حامل ہے، اس خانقاہ سے وابستہ شعرائے کرام تقدیسی و بہاریہ شاعری میں بے پناہ شہرت اور مقبولیت حاصل کر چکے ہیں۔ اس امر کی ایک عرصہ سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ کوئی ایسی کتاب منظر عام پر آئے جس میں خانقاہ نوابیہ عزیزیہ کی ادبی وشعری روایت، خانقاہ کے اہم شعرا کے احوال اور ان کی شعری اصناف کا بھرپور ذکر کیا جائے، مارچ ۲۰۲۰ء میں استاد گرامی قدر سید محمد نورالحسن نور نوابی عزیزی نے ''مژدۂ رحمت'' کے نام سے ایک کتاب ترتیب دی تھی جس میں خانقاہ نوابیہ عزیزیہ کے چند اہم شعرا کی نعوت کا انتخاب پیش کیا گیا تھا، ساتھ ہی شعرائے کرام کے سوانحی خاکے بھی تحریر کیے گئے تھے یہ کتاب بارش کا پہلا قطرہ ثابت ہوئی مگر مژدۂ رحمت میں کافی اختصار سے کام لیا گیا تھا اور چوں کہ یہ شعرائے خانقاہ نوابیہ عزیزیہ کا پہلا انتخاب تھا اس لیے یہ طے پایا کہ اس میں صرف نعوت کو ہی شامل کیا جائے اور دیگر اصناف (حمد، مناجات، منقبت، غزل) کو شامل اشاعت نہیں کیا گیا تھا لہٰذا تشنگی باقی تھی، الحمدللہ یہ سعادت مجھ ناچیز کے حصے میں آئی، اور میں نے اللہ جل مجدہ کے فضل وکرم، اس کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے لطف وعنایت اور اپنے مرشد گرامی کے فیوض باطنیہ

کے سائے میں ''خانقاہ نوابیہ عزیزیہ میں شعری روایت'' پر کام کا آغاز کیا بحمد اللہ آج یہ کتاب اشاعت کی منازل سے گزرنے کے لیے تیار ہے۔

میں نے اس کتاب میں خانقاہی نظام کی مختصر تاریخ اور صوفیا کرام کی لسانی خدمات کا ذکر کرنے کے بعد بانیِ خانقاہ نوابیہ عزیزیہ قطب الاقطاب حضرت الحاج صوفی سید نواب علی شاہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات بابرکات پر بہ صد عقیدت ومحبت چند سطور سپرد قرطاس کی ہیں میرے لیے یہ ایسا شرف ہے کہ کوئی شرف اس کا مقابل ومماثل نہیں ہوسکتا، اس کے بعد صاحب سجادہ مرشد کامل حضرت صوفی سید محمد عزیز الحسن شاہ عزیز نوابی دام ظلہ کی دینی وادبی خدمات اور ان کی پرنور شخصیت کا تعارف پیش کیا ہے، پھر خانقاہ کے روحانی وادبی ماحول اور شعری روایت کا ذکر کیا ہے، اس کے بعد خانقاہ نوابیہ عزیزیہ کے چند معروف شعرائے کرام کا مفصل تذکرہ پیش کیا ہے، یہ بھی عرض کردوں کہ اس کتاب کو مژدۂ رحمت کی توسیعی شکل بھی کہا جاسکتا ہے کیوں کہ میں نے اس کتاب میں شعرا کی تعداد اور ترتیب میں ''مژدۂ رحمت'' کا کامل تتبع کرنے کی کوشش کی ہے اور انہیں شعرا کا تذکرہ کیا ہے جو یا تو صاحب کتاب ہیں یا جن کے مجموعے قریب الاشاعت ہیں اس کتاب میں شعرا کے حالات زندگی اور ان کی تمام شعری اصناف اور محاسن پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے شعرائے مذکور کی شاعری کے تمام پہلو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے یاد رہے کہ مذکور الصدر کتاب ''خانقاہ نوابیہ عزیزیہ میں شعری روایت'' کوئی تنقیدی کتاب نہیں ہے بلکہ اسے میں نے تعارف وتذکرہ کے نکتۂ نظر سے ہی لکھا ہے لہٰذا اس تصنیف میں تنقید نظر نہیں آئے گی البتہ اس کتاب کے مطالعہ سے قارئین کو دبستان نوابیہ عزیزیہ کے شعرائے کرام کے شعری جہات ورجحانات سے کامل واقفیت ضرور حاصل ہوجائے گی۔

اس کتاب میں خانقاہ نوابیہ عزیزیہ کے سات شعرا کا ذکر موجود ہے الحمدللہ راقمہ بھی انہی شعرا کی صف میں شامل ہے جنہوں نے خانقاہ نوابیہ عزیزیہ کی روحانی و ادبی فضا سے بھرپور استفادہ و استفاضہ کیا ہے، مجھے سلسلہ عالیہ نوابیہ عزیزیہ کے صاحب سجادہ حضرت صوفی سید محمد عزیز الحسن شاہ عزیز نوابی (مدظلہ) کے دست حق پرست پر شرف بیعت حاصل ہے اور بانیِ خانقاہ کے منجھلے صاحبزادے سید الشعرا سید محمد نور الحسن نور نوابی عزیزی جیسی عبقری شخصیت سے شرف تلمذ حاصل ہے، یوں مجھے قلبی و روحانی تسکین اور ادبی شعور اسی درِ پاک سے عطا ہوا، اس خانقاہ سے وابستگی نے میری فکر و نظر کو ضیا بار کیا ہے، اس درعالی سے نسبت ہی میری شناخت ہے اور میں اس پر جس قدر فخر و ناز کروں کم ہے، البتہ میں نے اس کتاب کو ترتیب دیتے ہوئے اپنے تذکرے کو شامل کرنے سے عمداً اجتناب برتا ہے۔

اس کتاب کی تیاری کے جمیع مراحل میں استاد گرامی قدر کی مشاورت اور رہ نمائی قدم قدم پر شامل حال رہی، شکریہ کے دو چار الفاظ ان کی محنت، توجہ اور حوصلہ افزائی کا بدل ہرگز نہیں ہو سکتے اللہ انہیں اپنی جناب سے اس کا احسن اجر عطا فرمائے اور انہیں مزید روحانی و ادبی کامرانیوں سے نوازے، (آمین) ادیبِ شہیر، برادرِ عزیز سید محمد مجیب الحسن مجیب نوابی عزیزی کی مفید مشاورت کی ہمیشہ سے ممنون و مقروض ہوں۔

امید ہے کہ یہ کتاب اہل سلسلہ اور دیگر قارئین و محققین کے لیے سود مند ثابت ہوگی اور تحقیق و تصنیف کے نئے در وا کرے گی۔

کنیز بارگاہ نوابی

شمائلہ صدف عزیزی

# خانقاہی نظام، تعریف و تاریخ

خانقاہ خانۂ حال و حضور بھی ہے اور مخزنِ کیف و سرور بھی، یہ وہ مکتب احسان و عرفان ہے جہاں صدق و صفا، زہد و ورع اور تسلیم و رضا وغیرہم جیسی منازل سلوک طے کروائی جاتی ہیں، معرفت الٰہی کے سوتے اسی زمین سے پھوٹتے ہیں، یہ وہ مستحکم ادارہ ہے جو بلاشبہ ہمارا قیمتی مذہبی ورثہ بھی ہے اور حال و استقبال کی اصلاح کا ذریعہ بھی ،**خانقاہ** کا لفظ فارسی معرب ہے، فارسی میں یہ لفظ خانگاہ تھا، چونکہ عربی زبان میں ''گ'' کا وجود نہیں لہٰذا ''گ'' کو ''ق'' سے بدلا گیا تو یہ خانقاہ ہو گیا، یہ لفظ فارسی سے عربی اور عربی سے اردو لغت میں شامل ہوا، اس کی جمع خوانق، خانقاوات اور خانقاہیں ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کی رائے میں یہ لفظ عربی کے ثلاثی مجرد کے مادہ خ، ن، ق سے مشتق ہے جس کے معانی تنگی، گلا گھونٹنا اور سرنگوں کرنا وغیرہ ہیں چوں کہ ضبط نفس، عبادات و اذکار کی پابندی، عجز و انکسار اور مرضی مولا کے آگے سرنگوں ہونا وغیرہ خانقاہی نظام کے معمولات سے ہیں اور یہ سب امور بلاشبہ نفس پر گراں اور شاق گزرتے ہیں اس لیے ان معمولات کی درس گاہ خانقاہ کہلائی، لیکن یہ استدلال خاصا کمزور ہے ارجح قول یہی ہے کہ یہ لفظ فارسی الاصل ہے۔

لغات کشوری میں خانقاہ کا معنیٰ یہ ہے۔''فقیروں اور درویشوں کے رہنے کا مکان''
(لغات کشوری ص 164 مطبع منشی نول کشور لکھنؤ)

نور اللغات میں اس لفظ کی دو صورتیں بتائی گئی ہیں خانقاہ بفتح نون اور خانقاہ بسکون نون اور اس کا معنیٰ ہے۔ ”درویشوں اور مشائخ کے رہنے کی جگہ“
(نور اللغات ص 479 حصہ اول)

فیروز اللغات میں ہے۔ ”درویشوں اور مشائخ کے رہنے کی جگہ، صومعہ، کسی درویش یا پیر کا مقبرہ“
(فیروز اللغات ص 583 جلد اول مطبوعہ فیروز سنز لاہور)

اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں ہے ”معروف معنوں میں خانقاہ وہ جگہ ہے جہاں صوفی اور درویش قسم کے لوگ گوشہ نشینی اختیار کر کے عبادت و ریاضت میں مصروف ہوتے ہیں، خانقاہ عموماً کسی بزرگ (درویش) کی قیام گاہ پر بنائی جاتی ہے۔ لفظ ”خانقاہ“ دو الفاظ ”خان“ اور ”گاہ“ کا مرکب ہے۔ لفظ ”خان“ بمعنیٰ بزرگ اور ”قاہ“ بظاہر فارسی لفظ ”گاہ“ سے بگڑا ہوا ہے جن کی معنیٰ کسی زندہ بزرگ کی جائے قیام یا مردہ آدمی کے مزار کے ہیں“۔
(اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ص 688)

درگاہ، آستانہ، تکیہ، رباط اور زاویہ وغیرہم بھی خانقاہ کے مترادفات ہیں جو باختلاف ازمنہ وامکنہ مستعمل رہے ہیں۔

**رباط:** یہ مادہ ر، ب، ط سے مشتق ہے جس کا لغوی معنیٰ ہے باندھنا گھوڑے باندھنے کی جگہ یعنی اصطبل کو رباط کہتے ہیں چوں کہ خانقاہ میں سرکش نفس کو لگام ڈالی جاتی ہے اس مناسبت سے اسے رباط کہا گیا۔ عوارف المعارف میں بھی ایسی ہی تعریف منقول ہے، ”و اصل الرباط ما يربط فيه الخيول، ثم قيل لكل نفر يدفع اهله عمن وراءهم رباط، فالمجاهد المرابط يدفع عمن وراءه، والمقيم في الرباط على طاعة الله يدفع به و بدعائه عن البلاد و العباد“

"رباط دراصل وہ مقام یا جگہ ہے جہاں گھوڑے باندھے جاتے ہیں (یعنی اصطبل) پھر اس لفظ کو ان لوگوں کے لیے بولا جانے لگا جو اپنے عیال میں سے کسی کی حفاظت کریں، سرحد کا محافظ مجاہد اپنے ملک کی حفاظت کرتا ہے اسی طرح وہ شخص جو خانقاہ نشین ہے، رباط میں رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی عبادت میں مشغول رہتا ہے وہ بھی دعاؤں اور اطاعت گزاری سے بندوں اور علاقوں سے بلائیں دور کرتا ہے"۔

(عوارف المعارف للسہروردی جزو اول 257)

**زاویہ:** لغوی معنیٰ ہے کونہ، گوشہ، خلوت خانہ اور گوشۂ تنہائی کو بھی زاویہ کہا جاتا تھا اس کی جمع زوایا آتی ہے، بعد ازاں یہ لفظ صوفیہ کی خانقاہوں کے لیے بولا جانے لگا، مغربی عرب کی خانقاہوں کو زوایا کہا جاتا تھا۔

**تکیہ:** لغوی معنیٰ ہے سہارا لینا، آرام کرنا، عثمانی دورِ خلافت میں خانقاہ کے لیے تکیہ کا لفظ استعمال کیا جانے لگا اور اس دور میں بہ کثرت تکایا تعمیر ہوئے البتہ ان کی طرزِ تعمیر خانقاہ سے کچھ مختلف تھی جس میں ایک مربع صحن، ذکر خانہ، سالکین کے حجرے، مطبخ، حرم (جہاں درویشوں کے اہلِ خانہ قیام کرتے) اور حمام وغیرہ شامل ہیں۔

برصغیر میں خانقاہ کے لیے آستانہ اور درگاہ جیسے الفاظ بھی مشہور و معروف ہیں۔

انگریزی میں خانقاہ کے لیے (monastery) کا لفظ مستعمل ہے۔

مندرجہ بالا معانی و مفاہیم اور تعریفات سے درج ذیل نکات مستنبط ہوتے ہیں۔

1: خانقاہ اس عمارت کو کہتے ہیں جو مسلمان صوفیا کی ریاضت گاہ کے طور پر معروف ہے۔

2: خانقاہ زندہ شخص کی قیام گاہ، مقامِ عبادت یا مزار پر بنائی جاتی ہے۔

3: خانقاہ میں صوفیا برتر از سود و زیاں معرفت الٰہی، اصلاح سیرت اور فلاح دارین کے لیے مجاہدے کرتے ہیں۔

4: خانقاہ کا بنیادی مقصد تطہیر قلب و روح ہے۔

اسلامی خانقاہی نظام کی خصوصیت و انفرادیت یہ ہے کہ یہ رہبانیت، گوشہ نشینی، جمود اور تعطل کے برخلاف تحرک، عمل پیہم، جہد مسلسل اور ریاضت کا درس دیتا ہے، کڑی ریاضت، مساعی تبلیغ و اشاعت اور خدمت خلق جیسے ذمہ دارانہ افعال کا ذرا سا تعلق بھی جمود یا تعطل سے نہیں بنتا، خانقاہی نظام کی تاریخ دعوت، خدمت اور عزیمت سے عبارت ہے مگر متعصب مستشرقین اور مخالفین تصوف نے ان حقائق سے اغماض برت کر اسے غیر اسلامی تہذیبوں کا شاخسانہ قرار دیا ہے اور سادہ لوح عوام کو اس نظام سے متنفر کرنے کی کوششیں کیں اور بڑی چالاکی اور از راہِ فریب دہی اہل اسلام کے اس عظیم مذہبی و تہذیبی ورثے سے بدظن کرنے کی کوششیں کیں اور افسوس اس بات کا ہے کہ وہ اپنی کوششوں میں بہت حد تک کامیاب بھی ہوئے لیکن حق تو یہ ہے کہ تصوف اور خانقاہی نظام قرآن وسنت سے ماخوذ ہے اور یہ ہرگز ایک فرد کو حجرہ عبادت تک محدود نہیں کرتا بلکہ اس سے بھی عظیم و جلیل تر مقاصد کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اس نظام کی اساس ہی عرفان الٰہی اور لقائے رب کی ''جستجو'' ہے، یہی وہ جستجو اور لگن ہے جس کی بہ دولت سالک اور درویش نفس کشی اور کڑی ریاضتوں سے گزرے، ان کی راتیں سجود و قعود اور دن یاد رب کائنات اور حصول علم و معرفت میں صرف ہوئے، انہوں نے ہوائے نفسانی پر بند باندھ کر قلبی و روحانی تزکیہ کیا تاکہ اللہ رب العزت کے انوار و تجلیات ان پر منعکس ہوں، اسی پر بس نہیں بلکہ وقت آنے پر ان اہل اللہ نے حکمائے وقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کلمات حق

کیے اور رسم شبیری کو زندہ کیا؛خود کانٹوں پر چل کر خلق خدا کے لیے پھول چنے ، بلا تفریق مذہب و مسلک عوام الناس کی دل جوئی کی، حقارت و نفرت کی مسموم فضا کے ماروں کو محبت والفت کا تریاق بخشا۔

اسلامی تصوف اور نظام خانقاہی کی روشن و تابناک تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے اولین نقوش قرآن مجید میں ملتے ہیں،قرآن نے اس نظام کی بنیاد کو تزکیہ اور تقویٰ جب کہ حدیث نبوی نے احسان و اخلاص سے تعبیر کیا ہے، صفہ کی درس گاہ اس کی ابتدائی عملی تصویر ہے جہاں صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصی توجہات اور تعلیمات سے فیض یاب ہوتے تھے، چوں کہ ان اصحاب نے تفقہ فی الدین کی خاطر صفہ کو اپنا ٹھکانا بنا لیا تھا لہٰذا یہ اصحاب آقائے نامدار کی نگاہ لطف کا خصوصی مرکز تھے، حضور کی قربت و معیت سے بہ درجہ اتم سرفراز رہتے تھے، تعلیم و تعلم اور عبادت و تلاوت میں مشغول رہتے تھے، ان میں اکثریت مہاجرین کی تھی، بعض متمول صحابہ بھی زہد و تقویٰ اور استفاضہ کی خاطر صفہ میں قیام پذیر ہوئے جیسے کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ اور حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ وغیرہما۔ اسی طرح قبول اسلام کی غرض سے آئے ہوئے وفود اور مدینہ طیبہ میں تشریف لانے والے نو وارد دین بھی یہیں مقیم ہوا کرتے تھے ، یوں اصحاب صفہ کی تعداد میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی، وفود کی واپسی یا اہل صفہ میں بعض کے ازدواج یا اسفار کی وجہ سے تعداد کم ہو جاتی تھی ،اہل صفہ کو ”اوفاض“ بھی کہا جاتا تھا، ابن الاثیر جزری نے اوفاض کی جو تشریح کی ہے اس میں بھی اہل صفہ اور صوفیا کے مابین وصفی و ہیئتی اشتراک کے اشارے ملتے ہیں وہ لکھتے ہیں۔

”مختلف قسم کے لوگوں کے گروہ اور مختلف جماعتوں کو اوفاض کہا جاتا ہے بعض کے نزدیک یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس چھوٹے چھوٹے ترکش کی مانند تھیلے ہوتے ہیں جس میں وہ اپنا کھانا رکھتے ہیں“۔

(النہایۃ فی غریب الحدیث 5/210)

اہل صفہ کی زیست مجاہدانہ تھی ان میں سے بعض جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر بیچتے اور انتظام معاش کرتے، جب اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے مبلغین روانہ کرنے کی ضرورت پیش آئی تو اہل صفہ ہی تھے جنہوں نے دور دراز سفر اختیار کر کے تبلیغ کا مقدس فریضہ سر انجام دیا حتیٰ کہ بئر معونہ کے واقعے میں دھوکے سے ان کی ایک بڑی تعداد کو شہید کر دیا گیا، اور غزوات کے موقع پر دیگر اصحاب رسول ﷺ کے ہمراہ اہل صفہ بھی جہاد کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے، یہ وہ اوصاف ہیں جو اہل صفہ اور صوفیا میں مشترک ہیں، اس لیے اگر ہم صفہ کو اولین درس گاہِ اخلاص و احسان بالفاظ دیگر اولین خانقاہ کہیں تو حق بجانب ہیں۔

جس طرح آقائے دو جہاں اپنی ظاہری حیات مبارکہ میں اہل صفہ کے باطنی و قلبی معاملات کا خیال رکھتے تھے اسی طرح سرکار دو عالم ﷺ کے وصال کے بعد امت میں وصف احسان سے متصف افراد کی روحانی تربیت کا عظیم فریضہ مولائے کائنات سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے سپرد ہوا، آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیر خم کے مقام پر سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی ولایت کا باقاعدہ اعلان فرمایا، اور تمام اصحاب نے اس کا اقرار کیا، یوں سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم حضور اکرم ﷺ کی نیابت معنویہ اور فیوض باطنیہ سے بدرجہ کمال فیض

یاب ہوئے، یہی مرتبہ ولایت آپ کی آل پاک کو بھی نصیب ہوا، سیدہ کائنات اور حسنین کریمین علیہم السلام بھی اس شرف ولایت سے سرفراز ہوئے، پھر یہ سلسلہ سینہ بہ سینہ افراد امت میں منتقل ہوتا رہا جن میں دو ہستیاں بہت ممتاز ہیں، ایک خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ اور دوسرے خواجہ کمیل بن زیاد رضی اللہ عنہ جنہوں نے براہ راست مولائے کائنات کرم اللہ وجہہ الکریم سے اکتساب فیض کیا اور بعد کے ادوار میں ان (حضرت حسن بصری وحضرت کمیل بن زیاد رضی اللہ عنہم) کے مریدین بھی ائمۂ اہل بیت سے منسلک رہے مثلاً حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت جعفر صادق علیہ السلام سے نسبت رکھتے تھے اور حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ سیدنا امام علی رضا علیہ السلام سے مستفید ہوئے۔

اسلام کے بنیادی اصول ہی خانقاہی نظام کا نصاب ہیں، مثلاً اتباع خدا و رسول، اصلاح وتعمیر سیرت، مخلوق خدا کے لیے نفع رسانی، معرفت خلاق عالم اور حب رسول اکرم ﷺ وغیرہ۔

آپ ﷺ کے دور میں آپ کا وجود مسعود اور آپ کے ارشادات و فرمودات ارتقائے مدارج روحانی کے لیے کافی تھے دور صحابہ میں بھی قرب عہد نبوی کی بہ دولت قلب وروح کے تجلیہ کے ذرائع موجود تھے لہٰذا باقاعدہ خانقاہی نظام کی ضرورت پیش نہ آئی لیکن مابعد کے ادوار میں دین کا یہ روحانی رخ دھندلا اور ماند پڑ گیا، خلافت کی ملوکیت میں تبدیلی، نئے مذہبی فرقوں کا ظہور، حکما (الا ماشاء اللہ) کا تعیش اور عوام الناس کی غفلت، شاہی درباروں میں شعرا و قصیدہ نگاروں کا ہجوم، خرافات کی رغبت اور روحِ عبادت کا فقدان، یہ وہ عوامل وعناصر ہیں جن کے ردعمل کے طور پر ایک مستحکم دینی وفکری تحریک کا آغاز ہوا یہ تحریک زہد وتقویٰ،

عبادت و ریاضت اور صالحیت پر مبنی تھی، تزکیہ وتصفیہ کی یہ مہم گویا تصوف و خانقاہ کی عملی صورت کا نقطۂ آغاز تھا، ابتدائی صورت میں اسے فقر و زہد سے تعبیر کیا جاتا تھا یہ وہ وقت تھا جب زہد و تقویٰ اور اخلاص و احسان زہاد تابعین کے حجروں اور تعلم و وعظ کی نشستوں میں سمٹ آئے تھے، اگر ہم اس دور کے زہاد تابعین کے منظوم و منثور ادب کا جائزہ لیں تو اس میں بھی زہد و تقویٰ، دنیا کی بے ثباتی، توبہ و انابت، موت کی یاد، معاصی سے منافرت، مناجات اور تزکیۂ نفس کی دعوت کے مضامین ملتے ہیں مزید معلومات کے لیے دیکھیے (ادب زہاد التابعین موضوعاتہ وفنونہ از یونس ہلال)۔

اس مسموم ماحول میں زہاد تابعین ہی تھے جنہوں نے ہر طرح کی سیاسی الجھنوں سے آزاد رہ کر قرآن، حدیث اور فقہ کے ساتھ ساتھ دین کی اصل روح یعنی تزکیۂ باطن کی جانب دعوت دینا شروع کی، ان نفوس قدسیہ نے تہذیب نفس اور زہد و ورع کے حصول کے ساتھ ساتھ اپنی عظیم ذمہ داریوں کو بھی خوب نبھایا، لوگوں کو دنیا پرستی اور شرعی ممنوعات و محرمات سے متنفر کیا، اخلاق و اعمال کی اصلاح کی دعوت دی، ان کا ہاتھ تھام کر انہیں بے راہ روی، بدکاری اور فساد کی دلدل سے نکالا، اس دعوت و ارشاد اور تعلیم و تعلم کا نتیجہ یہ نکلا کہ مادیت پرستی کا طوفان بلا خیز ایک حد تک تھم گیا، اور لوگوں میں رجوع الی اللہ کا جذبہ بیدار ہونا شروع ہوا، تصوف، صوفی اور خانقاہی نظام کی کئی دیگر اصطلاحات اسی دور میں معروف ہو چکی تھیں۔

بقول مولانا عبدالرحمن جامی

فانفرد خواص اهل السنة ،المراعون انفاسهم مع الله، الحافظون قلوبهم عن طوارق الغفلة /باسم التصوف، واشتهر هذا الاسم لهؤلاء الاكابر قبل المأتين من الهجرة۔

”پھر وہ خواص اہل سنت جن کے نفوس ذات حق سے منسلک تھے اور جو اپنے قلوب کو غفلت کے طاری ہونے سے محفوظ رکھتے تھے اصطلاح تصوف کے ذریعے منفرد ہو گئے اور سن دو سو ہجری سے قبل یہ اصطلاح ان اکابر کے لیے مشہور ہو چکی تھی“۔

(نفحات الانس القول 9 ص 58)

تصوف کی بنیاد اور خانقاہی نظام کی ابتدا کے متعلق عوارف المعارف میں شیخ شہاب الدین سہروردی رقم طراز ہیں۔

واغتنموا العزلة و الوحدة، واتخذوا لنفوسهم زوايا يجتمعون فيها تارة، و ينفردون اخرى، اسوة باهل الصفة، تاركين للاسباب متبتلين الى رب، الارباب۔۔۔۔۔فصار لهم بمقتضى ذلك علوم يعرفونها، و اشارات يتعاهدونها، فحرروا لنفوسهم اصطلاحات تشير الى معان يعرفونها، و تعرب عن احوال يجدونها، فاخذ ذلك السلف عن الخلف حتى صار ذلك رسماً مستمراً

”ایسے ناشائستہ اور غیر صالح ماحول میں کچھ حضرات نے عزلت اور گوشہ نشینی کو بہتر سمجھا اور زاویوں میں جا کر بیٹھ گئے، کبھی کبھی وہاں یہ لوگ جمع ہوتے اور پھر الگ ہو جاتے، ان میں اہل صفہ کا نمونہ موجود تھا، انہوں نے اسباب کو ترک کیا اور حق تعالیٰ کی جانب متوجہ ہوئے۔۔۔۔ان علوم نے ان زاویہ نشینوں اور گوشہ نشینوں کو نئے علوم سے واقف کرایا، اور انہوں نے علوم جدیدہ کے لیے ایسی اصطلاحات وضع کیں جو ان کے خیالات کی ترجمانی کر سکیں اور ان کے وجدان و باطنی کیفیات کو ظاہر کر سکیں انہیں اصطلاحات اور انہیں علوم جدیدہ کو تصوف کہا جانے لگا اور پھر

اخلاف نے اپنے اسلاف سے اس کی تعلیمات لینا شروع کیں اور یہ سلسلہ جاری و ساری ہوگیا"۔

(عوارف المعارف للسھروردی الجزء الاول ص 75-76)

مندرجہ بالا اقتباس میں وضاحت سے ان مقامات کا ذکر ہے جہاں یہ اہل اللہ جمع ہوا کرتے تھے، تاریخی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ اولین خانقاہ جو فلسطین میں بہ مقام رملہ بنائی گئی تھی اس کا بنیادی مقصد بھی صوفیہ کی مجلس وملاقات تھا، اس خانقاہ کی نسبت ابو ہاشم صوفی علیہ الرحمۃ کی جانب کی جاتی ہے جبکہ بعض منابع پہلی خانقاہ کی نسبت حضرت حسن بصری کے مسترشد حبیب عجمی کی جانب کرتے ہیں (واللہ اعلم بالصواب) تاہم سلاطین سلاجقہ اور عہد ایوبی میں خانقاہوں کی تعمیر کے رجحان میں اضافہ ہوا جس کے دیگر مقاصد میں سے ایک مقصد اہل اسلام کو صلیبیوں کے خلاف جہاد پر تیار کرنا تھا، اسلام کی عظیم فتوحات میں عسکری قیادت کے ساتھ ان گوشہ نشین خدا پرستوں کی کاوشوں کا بھی دخل ہے جو نہ صرف اپنے پیروکاروں کو جہاد کی ترغیب دیتے بلکہ خود بھی شریک جہاد ہوتے، اور ان کی برکت سے فتح ونصرت نصیب ہوتی۔

# خانقاہی نظام کی افادیت

خانقاہوں نے اسلام کی تبلیغ واشاعت، دعوتِ صلاح وفلاح اور دورِ انحطاط میں اہل اسلام کے اخلاقی وجود کی تطہیر میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے، خانقاہوں کی افادیت ہر عہد میں مسلم الثبوت رہی ہے، مذہبی وروحانی فوائد کے علاوہ نظام تصوف نے علمی، فکری، تہذیبی اور معاشرتی سطح پر جو اثرات مرتب کیے وہ ہر ایک پر ظاہر و باہر ہیں، خانقاہی نصاب شریعت مع طریقت پر مبنی ہونے کی وجہ سے جامعیت کی صفت رکھتا ہے جس سے معرفت وحقیقت منتج ہوتے ہیں، یہ اعمال، آداب اور اخلاق کا ایسا منظم اور متوازن مجموعہ ہے جو اسلام کی صحیح تصویر پیش کرتا ہے، خانقاہی نظام کے چند مفادات وثمرات حسب ذیل ہیں۔

## تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب

سورۃ الاعلیٰ میں ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی ، وَ ذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی ، بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا ، وَ الْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی۔

بے شک وہی بامراد ہوا (جو نفس کی آفتوں اور گناہ کی آلودگیوں سے) پاک ہوگیا، اور وہ اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور (کثرت و پابندی سے) نماز پڑھتا رہا، بلکہ تم (اللہ کی طرف رجوع کرنے کی بجائے) دنیاوی زندگی (کی لذتوں) کو اختیار کرتے ہو، حالاں کہ آخرت کی (لذت وراحت) بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔

مندرجہ بالا آیات میں تزکیۂ قلب اور ذکر و نماز کے علاوہ زہد، دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی بقا کا ذکر ہے جو خانقاہوں کے بنیادی اغراض ومقاصد ہیں، البتہ ان میں اولیت تزکیہ کو حاصل ہے، قرآن پاک میں جہاں آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مناصب کا ذکر ہے وہاں تعلیم کتاب وحکمت کے بعد "یزکیہم" یعنی تزکیہ کا ذکر بالصراحت آیا ہے، معلوم ہوا کہ تزکیہ تعلیم کے علاوہ کچھ اور شے کا نام ہے، تعلیم کا مقصد اعمال واحکام سے آگاہی دینا ہے جب کہ تزکیہ قلب وروح کی پاکیزگی کے بعد ان اعمال کے رسوخ اور ان کے روحانی وباطنی فوائد کے نفوذ کا نام ہے۔

چوں کہ نفس خیر وشر کا مجمع البحرین ہے، نفس اگر معصیت آلود ہو تو شر کی سمت میلان رکھتا ہے جس کا نتیجہ خسران ہے اور اعمال واخلاق صالحہ سے مزین ہو تو اس سے خیر کے چشمے جاری ہوتے ہیں، اسی طرح وہ دل جو حضرت انسان کا جوہر اصلی ہے اور محل تجلیات الٰہی بھی ہے، لہٰذا اس کی نظافت از حد لازم ہے، کیوں کہ اسی پر اعمال کی درستی ونادرستی کا مدار ہے، یہی دل مخزن ایمان بھی ہو سکتا ہے اور ظلمت گاہ کفر بھی، اسے قلب اسی لیے کہا جاتا ہے کہ یہ ایک حال سے دوسرے حال کی جانب منتقل ہوتا رہتا ہے، طاعت سے معصیت یا معصیت سے طاعت کی جانب، یا کبھی کم درجے کی معصیت سے زیادہ درجے کی معصیت کی جانب، علاوہ ازیں اعمال کا پہلا اثر قلبی کیفیت پر ہوتا ہے، از روئے حدیث آلودۂ عصیاں ہوتے ہی قلب پر سیاہ دھبہ لگ جاتا ہے توبہ اور ذکر الٰہی سے تزکیہ کا عمل انجام پاتا ہے اور دل صیقل ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر تزکیہ نہ ہو تو پے در پے گناہ اسے زنگ آلود کر دیتے ہیں اس کیفیت کو قرآن نے "ران" سے تعبیر کیا ہے، تطہیر قلب کی اسی اہمیت کے پیش نظر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اتّق اللہ حیثما کنت، واتبع السیّئۃ الحسنۃ تمحھا، و خالق الناس بخلق حسن۔

اللہ سے ڈرو اور گناہ کے بعد نیکی کرو وہ اس (گناہ) کو مٹا دے گی اور لوگوں سے حسن اخلاق سے پیش آؤ۔

(ترمذی حدیث:1987)

خانقاہ بھی مقام تزکیہ ہے، جہاں قلوب کی نظافت اور نفوس کی طہارت کا خاص اہتمام ہوتا ہے، علم کی عملی تصویر اور اعمال کی باطنی تاثیر پر خاص توجہ دی جاتی ہے قلبی ونفسانی عوارض کی بیخ کنی کا درس دیا ہے، خانقاہوں میں کئے جانے والے ذکر واذکار اور عبادات ومجاہدے دل کے میل کو دور کرتے ہیں، شیخ طریقت کے تعلیم کردہ معمولاتِ نفس کشی کے ذریعے سالکین کو روحانی استحکام، اطمینان قلب اور معرفت کردگار حاصل ہوتا ہے، یہی وہ روحانی رسد ہے جو جوارح باطنیہ کو مستحکم کرتی ہے اور سالک کو اپنی پہچان کی منزل سے ہم کنار کر دیتی ہے۔

## صحبت صالحین

اسلام میں ایمان واعمال کے ساتھ ساتھ صحبت کی اہمیت بھی مسلم ہے، صحبت رسول ﷺ سے مستفیض ہونے والے خوش بخت افراد "صحابہ" کہلاتے ہیں اور کوئی شخص کتنی ہی عبادت وریاضت کرلے درجۂ صحابیت کو نہیں پا سکتا، صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے صحبت وتعلیم یافتہ افراد "تابعین" کے اسم سے موسوم ہوئے، اور تابعین کی صحبت وتلقین سے مشرف ہونے والے "تبع تابعی" ہوئے، یہ ہے صحبت کا فیض۔ آقائے دوجہاں ﷺ نے اچھی اور بری صحبت اور اس کی اثر پذیری کے متعلق ارشاد فرمایا۔

"انما مثل الجليس الصالح وجليس السوء كحامل المسك ونافخ الكير، فحامل المسك إما أن يُحْذِيك، وإما أن تبتاع منه، وإما أن تجد منه ريحاً طيبة، ونافخ الكير إما أن يحرق ثيابك، وإما أن تجد منه ريحاً منتنة"

"اچھی مجلس اور بڑی مجلس کی مثال اس طرح ہے جس طرح خوشبو بیچنے والے اور بھٹی سلگانے والے کی مثال ہے، اگر عطار تمہیں خوشبو نہ بھی دے تب بھی اس کی خوشبو تمہیں پہنچ کر رہے گی، اور لوہار کی بھٹی کی چنگاری تمہارے کپڑے نہ بھی جلائے تو اس کا دھواں تمہارے کپڑے میلے ضرور کر دے گا"۔

(متفق علیہ)

روح اسلام کے عملی دستور یعنی تصوف میں صحبت صالحین پر بہت زور دیا گیا ہے۔ سیرت فخر العارفین میں بحوالہ "مکتوبات دو صدی" حضرت مخدوم شرف الدین یحیٰ منیری رضی اللہ عنہ کا ایک مکتوب درج ہے جس کا اقتباس ذیل میں نقل کیا جا رہا ہے۔

"صحبت کا اثر کسی عاقل سے چھپا ہوا نہیں ہے، باز (شکاری پرندہ) آدمی کی صحبت سے جاننے والا ہو جاتا ہے، طوطی آدمی کی تعلیم سے بولنے لگتی ہے اور گھوڑا آدمی کی ریاضت و محنت کے سبب چوپائے کی حد سے نکل کر آدمی کی سی عادت میں آجاتا ہے۔۔۔ان (صوفیاو اولیا) کی صحبت تجھے کیا کر دے گی۔ اگر تو مردہ ہوگا تو تجھے زندہ کر دے گی، اگر شیطان ہوگا تو فرشتہ کر دے گی۔ تانبہ اور لوہا ہوگا تو سونا بنا دے گی، اور اگر تو زندہ آدمی ہوگا تو ایک دنیا کے واسطے تجھے اکسیر

کر دے گی ، اگر تو اسفل السافلین میں گر گیا تو اعلیٰ علیین میں پہنچا دے گی"۔

(سیرت فخر العارفین ص 37-38)

معلوم ہوا کہ اہل اللہ کے نزدیک صحبت اولیا کی کیا اہمیت ہے۔

کشف المحجوب میں ہے۔

"ایک مرد خانہ کعبہ کے طواف میں کہہ رہا تھا اللھم اصلح اخوانی فقیل لہ لم تدع لک فی ھذا المقام۔ الٰہی میرے بھائیوں کو صالح کر دے، اسے لوگوں نے کہا، اس مقام پر تو اپنے لیے دعا کیوں نہیں کرتا؟ بلکہ بھائیوں کے لیے دعا کرتا ہے، اس نے جواب دیا، انّ لی اخواناً ارجع الیھم فان صلحوا صلحت معھم و ان فسدوا فسدت معھم۔ اے بھائی! جب میں ان میں جاؤں گا، اگر وہ صالح ملے تو میں بھی ان کی صالحیت سے صالح ہو جاؤں گا اور اگر وہ فسادی رہے تو میں بھی ان کے فساد سے مفسد ہو جاؤں گا۔

(کشف المحجوب مترجم ص 537)

شیخ سعدی شیرازی کا مشہور زمانہ قطعہ ہے۔

گلے خوش بوئے در حمام روزے
رسید از دست محبوبے بدستم

بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری
کہ از بوئے دل آویز تو مستم

بگفتہ من گل ناچیز بودم
و لیکن مدتے با گل نشستم

جمال ہم نشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ایک دن ایک اچھی خوشبو دار مٹی حمام میں مجھے ایک محبوب کے ہاتھ سے ہاتھ آئی، میں نے اس سے پوچھا کہ تو مشک ہے یا عنبر کہ میں تیری دل آویز خوشبو سے مست ہوگیا، اس نے کہا کہ میں ناچیز مٹی ہوں لیکن مدتوں گلاب کے ساتھ رہی، جمال ہم نشیں نے مجھ میں اثر کیا ورنہ میں تو وہی مٹی ہوں جو ہوں۔

(گلستان سعدی)

صحبت صالحین کا میسر آنا بھی خانقاہی نظام کے فوائد میں سے ایک ہے، اور یہی صحبت صالحین ایک سالک کو یاد الٰہی کی طرف متوجہ کر دیتی ہے، ارشاد نبوی ہے۔

أَلَا أُنَبِّئُكُم بِخِيَارِكُم؟ قالوا: بلى يا رسولَ الله! قال: خيارُكم الذين إذا رءوا ذكر الله عز وجل۔

کیا میں تمہیں تم میں سے بہترین لوگوں کی خبر نہ دوں، صحابہ کرام نے عرض کیا کیوں نہیں یارسول اللہ! فرمایا تم میں بہتر وہ ہیں کہ جب انہیں دیکھا جائے تو اللہ یاد آجائے۔

(سنن ابن ماجہ 3/349)

خانقاہ میں چوں کہ صحبت شیخ میسر آتی ہے جو بیش بہا نعمت ہے، اللہ کے ولی کی ایک لمحہ کی صحبت سالوں کی ریاضت پر بھاری ہوتی ہے، چوں کہ خانقاہ میں شیخ

کی ذات سالکین کے پیش نگاہ ہوتی ہے، شیخ کامل ہو تو اس کی صحبت و معیت تزکیۂ قلب اور تقرب الٰہی کا وسیلہ بنتی ہے، شیخ ہی کی روحانی تعلیم و تربیت سے خانقاہ کا لطیف ماحول مخزن تجلیات ربانی ہو جاتا ہے جس کی کیفیات برتر از بیاں ہیں، کیوں کہ اولیا کے مجاہدہ و ریاضت کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کی مجالس، صحبت اور نظروں میں وہ تاثیر پیدا فرما دیتا ہے، جو محض مطالعہ، یا شخصی ریاضت و مجاہدہ سے حاصل نہیں ہو سکتیں، بسا اوقات ان خاصان خدا کی معیت ہی ایسے اسرار کی عقدہ کشائی کو کافی ہو جاتی ہے جو ہزار ہا دفاتر کے مطالعہ سے بھی نہیں کھلتے، بقول مولانا روم۔

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا
او نشیند در حضور اولیا

جو یہ چاہتا ہے کہ اللہ رب العزت کا تقرب حاصل کرے تو اسے چاہیے وہ اولیائے عظام کی صحبت اختیار کرے۔

## محبت اور خدمت خلق

اسلام محبت، رواداری، ہم دردی اور خوش خلقی کی تعلیم دیتا ہے، تمام مخلوق عیال اللہ ہے اور اللہ کی عیال کے لیے خیر و صلاح کا باعث بننے والا مقربین میں شامل ہوتا ہے، اہل خانقاہ انہی اسلامی اصولوں پر کاربند رہتے ہیں، خانقاہی نظام میں بلاتفریق مذہب و ملت انسان دوستی اور باہمی محبت کا درس دیا جاتا ہے، کیوں کہ اہل تصوف کی نگاہ میں اللہ رب العزت کی مخلوق ہونے کی نسبت سے ہر انسان یکساں محبت و مروت کا مستحق ہے، صوفیا نے ہر دور میں اپنے کردار و عمل سے اس انسان دوستی کا ثبوت دیا ہے، خانقاہیں ہر عہد میں دکھی مخلوق کے لیے پناہ گاہیں رہی ہیں، امیر، غریب، شاہ و گدا ہر کوئی بساط بھر فیض حاصل کرتا رہا ہے، برصغیر میں اشاعت و

تبلیغ اسلام بھی اسی خدمت خلق اور محبت و رواداری کے حاصلات میں سے ہے اہل خانقاہ نے ہر دور میں بے لوث محبت اور یکساں سلوک سے خلق خدا کے قلوب مسخر کیے، کفر کی ظلمت میں بھٹکے ہوؤں کو منزل کا سراغ بخشا، آج بھی برصغیر کا خطہ ان صوفیائے کرام کی تعلیمات کے نور سے مستنیر ہے۔

مثلاً دلّی کی سب سے مشہور خانقاہ حضرت نظام الدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ ہے۔ اس خانقاہ کی طرف سے روزانہ ہزاروں افراد کے لیے کھانے پینے کا انتظام کیا جاتا تھا۔ جو غریب و نادار نہیں آسکتے تھے، ان کے گھر کھانا بھیج دیا جاتا تھا، ہر مذہب اور ہر فرقے کے غریب خاندانوں کے لیے وظیفے مقرر تھے جو پابندی کے ساتھ ہر مہینے انھیں بھیج دیے جاتے تھے۔ ان خانقاہوں کے دروازے علماء، حفاظ اور فقراء و مساکین کی مدد کے لیے ہمیشہ کھلے رہتے۔ صرف اسی خانقاہ پر بس نہیں بلکہ دیگر خانقاہوں میں بھی اسی قسم کی سماجی خدمات کا سلسلہ جاری رہتا تھا اور آج بھی جاری ہے، جو خانقاہیں قدیم صوفیہ کی سیَر و اصول پر قائم ہیں وہاں آج بھی لنگر خانے اور دسترخوان ہر کسی کے لیے عام ہیں روحانی تزکیہ کے ساتھ جسمانی تغذیہ بھی ہے کیوں کہ قلب سلیم، جسم سلیم میں ہی ہوتا ہے۔ اور اس خدمت خلق کے پس پردہ درج ذیل قول رسول ہے۔

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: إن الله يقول يوم القيامة: يا ابن آدم، مرضت فلم تعدني، قال: يا رب، كيف أعودك وأنت رب العالمين؟ قال: أما علمت أن عبدي فلانًا مرض فلم تعده؟ أما علمت أنك لو عدته لوجدتني عنده، يا ابن آدم استطعمتك فلم تطعمني، قال: يا رب، كيف أطعمك وأنت رب العالمين؟ قال: أما

علمت أنه استطعمك عبدي فلان فلم تطعمه، أما علمت أنك لو أطعمته لوجدت ذلك عندي، يا ابن آدم استسقيتك فلم تسقني، قال: يا رب، كيف أسقيك، وأنت رب العالمين؟ قال: استسقاك عبدي فلان فلم تسقه، أما علمت أنك لو سقيته لوجدت ذلك عندي، رواه مسلم.

ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: "بے شک قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا تو نے میری بیمار پُرسی نہیں کی۔ وہ کہے گا: اے میرے رب میں کیسے تیری بیمار پرسی کرتا تو تو رب العالمین ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تو یہ نہیں جانتا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا اور تُو نے اس کی بیمار پرسی نہیں کی! کیا تو یہ نہیں جانتا کہ اگر تو اس کی بیمار پرسی کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا! اے آدم کے بیٹے، میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو تُو نے مجھے نہیں کھلایا! وہ کہے گا: اے میرے رب، میں کیسے تجھے کھانا کھلاتا تو تو رب العالمین ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تو یہ نہیں جانتا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تو تُو نے اسے کھانا نہیں کھلایا! کیا تُو یہ نہیں جانتا کہ اگر تُو اسے کھانا کھلاتا تو اس کا اجر مجھ سے پاتا! اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے پینے کو کچھ مانگا تو نے مجھے نہیں پلایا! وہ کہے گا: اے میرے رب میں کیسے تجھے پلاتا؟ تو تو رب العالمین ہے! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تو یہ نہیں جانتا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے پینے کو کچھ مانگا اور تُو نے اسے نہیں پلایا! کیا تُو یہ نہیں جانتا کہ اگر تُو اسے پلاتا تو اس کا اجر مجھ سے پاتا۔

(صحیح مسلم کتاب عیادۃ المریض)

## علوم دینیہ کا فروغ

بلاشبہ علم نور ہے اور جہالت تاریکی، صاحبان علم اور جہلا برابر نہیں ہو سکتے، یہی وجہ تھی کہ جب آقائے کائنات ﷺ نے مدینہ منورہ میں باقاعدہ تبلیغ وتعلیم کا آغاز کیا اور مسجد نبوی تعمیر فرمائی تو اس کی حیثیت بہ یک وقت عبادت گاہ، درس گاہ اور تربیت گاہ کی تھی، صحابہ کرام علیہم الرضوان مسجد نبوی میں عبادت بھی کرتے تھے، وہیں حضور اکرم ﷺ کے مواعظ وارشادات سے بھی مستفیض ہوتے تھے اور اسی مسجد کے ایک گوشے میں صفہ کے مقام پر صحابہ کرام کی خصوصی تربیت کے ذریعے انہیں عملی زندگی کے لیے تیار بھی کیا جاتا تھا، ان تینوں عناصر یعنی عبادت، تعلیم اور تربیت کا اجتماع صحابہ کرام کی زندگیوں میں انقلاب کا سبب بن گیا، تعلیم نبوی نے ان کے اذہان، عبادت وریاضت نے ارواح اور تزکیہ نے ان کے دلوں کو منور کر دیا اس پہ مستزاد صحبت رسول ﷺ کہ جس نے انہیں اطاعت گزاری کے ایسے سانچے میں ڈھال دیا کہ وہ دیگر افراد معاشرہ کے لیے فیض رسانی کے سرچشمے بن گئے۔

گویا عمل، علم اور تزکیہ کا آپس میں گہرا تعلق ہے، علم کا انجذاب اور اس کی لطافت، تزکیہ اور ترک معاصی سے ہی میسر آتی ہے اس نکتے کو سمجھنے کے لیے امام شافعی کے یہ اشعار معاون ہوں گے۔

شكوت الى وكيع سوء حفظى
فأرشدنى الى ترك المعاصى
و أخبرنى بأن العلم نور
و نور الله لا يهدى لعاصى

ترجمہ: میں نے وکیع (اپنے استاد) سے اپنے حافظے کی خرابی کا شکوہ کیا، تو انہوں نے گناہوں کو ترک کرنے کی جانب میری رہنمائی فرمائی، اور مجھے آگاہ کیا کہ یقیناً علم نور ہے، اور اللہ کا نور کسی گناہ گار کو نہیں دیا جاتا۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ تعلیم اور تزکیہ کا آپس میں گہرا تعلق ہے تو ایسا کیسے ممکن ہے کہ اہل خانقاہ نے علوم سے غفلت برتی ہوگی، اکابر صوفیا مذہبی علوم کے علاوہ تمام علوم متداولہ کے ماہر ہوا کرتے تھے، ان کے دروس میں ہزاروں افراد شرکت کرتے جس کی سینکڑوں مثالیں تصوف کی کتب میں مندرج ہیں ایک مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے، سید الطائفہ شیخ جنید بغدادی علیہ الرحمۃ کے متعلق ان کے ایک ہم عصر ابو القاسم الکلبی کا بیان ہے۔

"میں نے بغداد میں ایک ایسا شیخ طریقت دیکھا ہے جس کی مثال میری نظر سے نہیں گزری، ادبا اس سے علم لغت حاصل کرتے ہیں، انشا پرداز اس سے طرز نگارش سیکھتے ہیں، فلاسفہ اس کے افکار سے مستفید ہوتے ہیں، شعراء اس سے فن شاعری کے محاسن حاصل کرتے ہیں، علما اس سے نکات علمیہ اخذ کرتے ہیں اور ان باتوں پر مستزاد یہ کہ اس کی گفتگو سامعین کے ذہن اور علم سے بلند ہوتی ہے"۔

(قوۃ القلوب از ابو طالب مکی ج 2 ص 35)

علوم وفنون کے فروغ کے لیے جہاں علما و ادبا کی ادبی نشستوں اور مدارس کا اہم کردار ہے وہیں خانقاہیں بھی کسی طرح پیچھے نہیں رہیں۔ قرون اولیٰ کی تمام خانقاہیں مدارس سے متصل ہوتی تھیں جہاں بہ یک وقت تشنگان علم کی سیرابی اور اہل طریقت کی طمانیت کا اہتمام ہوتا تھا، اپنے عمائدین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے برصغیر کی خانقاہوں نے بھی گراں مایہ فکری وعلمی کارنامے سرانجام دیے ہیں، ان روحانی مراکز نے اپنے منفرد انداز میں خلق خدا کو فیض یاب کیا، قرآن، حدیث،

فقہ اور دیگر علوم دینیہ کی تحصیل کے لیے لوگ دور دراز کا سفر اختیار کر کے ان مراکز علم و عرفان میں تشریف لاتے، برطانوی حکومت نے جب اسلامی نظام تعلیم کو ہدف بنایا اور انگریزی تعلیم کا آغاز کیا تو اگرچہ اہل اسلام کی ایک بڑی تعداد اس سے متاثر بھی ہوئی، اس نازک دور میں علما، صوفیا اور مشائخ کی اجتماعی کاوشوں سے پورے برصغیر میں مدارس اور خانقاہیں منظم ہوئیں، اور غلامی کے اس تاریک دور میں بھی علوم دینیہ کا آفتاب ماند نہ پڑا، آج بھی ہندو پاک میں یادگار اسلاف خانقاہوں کی علمی سرگرمیاں جاری و ساری ہیں۔

## زہد و تقویٰ کا حصول

بلاشبہ خانقاہیں مادیت زدہ ادوار میں روحانیت کی امین رہی ہیں قرون اولیٰ کی تحریک زہد بھی مادیت پرستی کے کاری وار کے جواب کے طور پر ظہور پذیر ہوئی تھی، زہد کا مطلب ہے دنیا سے بے رغبتی یعنی دنیا میں رہتے ہوئے اسے دل میں جگہ نہ دینا۔

حضرت سیدنا فخر العارفین رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔ ”تین قسم کے آدمی ہیں، (1) طالب دنیا، (2) متروک الدنیا اور (3) تارک دنیا۔ طالب دنیا تو ظاہر ہے کہ وہ شخص ہے جو دنیا ہی طلب کرے، متروک الدنیا وہ ہے کہ ہمیشہ طلب دنیا کے درپے رہے مگر دنیا کے مال منال سے کوئی چیز اس کے ہاتھ نہ آئے، (گویا دنیا نے اسے ناقص اور نکما جان کر چھوڑ دیا) تارک الدنیا دراصل وہ ہے کہ جس نے پہلے تو دنیا سے مال و منال یا ہنر و کمال یا منصب و جائیداد کو حاصل کر لیا، پھر خدا کی محبت اور اس کی یاد (اور اس کی خوشنودی اور رضامندی) میں اسے چھوڑ دیا۔ یعنی

ترک کر دیا، اس لیے کسی شے کا ترک کرنا پہلے اس کے حاصل ہو جانے کو مستلزم ہے"۔

(سیرت فخر العارفین ج 1 ص 174)

صوفیائے کرام نے ہوائے نفس کو مغلوب کرنے کے لیے توکل وقناعت کا راستہ اختیار کیا اور اپنے وابستگان کو بھی اسی کی تعلیم دی، خانقاہوں میں زہد وتقویٰ کی خصوصی تعلیم وتلقین کی جاتی ہے، کم کھانا، کم پینا اور کم سونا، کم بولنا جملہ سلاسل تصوف کے بنیادی اصول ہیں، جو زہد کا نقطۂ آغاز ہیں، علاوہ ازیں شیخ کا زہد واتقا اور اس کی سیرت کے نقوش بھی براہ راست دلوں کو متاثر کرتے ہیں۔

الغرض مختصراً بیان کیا جائے تو:

- خانقاہوں کے دروازے ہمہ وقت ہر کس وناکس یعنی غنی ومحتاج، عالم وناواقف سبھی کے لیے یکساں کھلے رہتے ہیں۔
- مشتبہات سے پرہیز کی بدولت ہر معاملے میں تقویٰ کے حصول کی جانب رہنمائی ہوتی ہے۔
- الحب للہ والبغض للہ پر عمل پیرا ہونے کی برکت سے اہل تصوف کی طبائع تشدد، تعصب اور منافرت سے پاک ہوتی ہیں خدا سے محبت کی بدولت ان کے دل تمام خلق خدا کے لیے کشادہ رہتے ہیں۔
- خانقاہوں میں مختلف المزاج اہل طریقت محبت سے مل کر رہتے ہیں، اور "رحماء بینھم" کی تصویر بن جاتے ہیں جس سے ان میں تحمل اور برداشت کی صفات پیدا ہوتی ہیں۔

# فروغ زبان و ادبِ اردو میں خانقاہوں کا کردار

برصغیر ہندو پاک میں صوفیائے کرام کی مذہبی و ملی خدمات کے ساتھ ساتھ لسانی و ادبی مساعی بھی قابل قدر ہیں برصغیر میں عرب تاجروں کی آمد، مقامی اور بیرونی اقوام کے میل جول اور سماجی و معاشی ضروریات کی بہ دولت مقامی زبان ''ہندوی'' افہام و تفہیم کی ایک مشترکہ زبان میں ڈھل چکی تھی، جس میں وقت گزرنے کے ساتھ ترکی، عربی اور فارسی کے علاوہ کئی اور زبانوں کے الفاظ شامل ہو گئے تھے، اپنے تدریجی ارتقائی عہد میں اس مقامی زبان کو کبھی ہندوی کہا گیا اور کبھی ہندوستانی، علاقائی مناسبت سے یہ دہلوی، دکنی اور گجراتی بھی کہلائی، کبھی ریختہ کے نام سے موسوم ہوئی، مرور ایام کے ساتھ ساتھ یہ اردوئے معلیٰ ہوئی جو آج اردو کے نام سے معروف ہے اور دنیا کی بہ کثرت بولی جانے والی زبانوں میں سے ایک ہے، یہ زبان اپنے ارتقائی ادوار میں مسلسل بے اعتنائی کا شکار رہی جس کا سبب یہ تھا کہ شمالی ہند کے مغل حکمرانوں کے ہاں فارسی ہی مقبول و مرغوب زبان تھی بلکہ اسے درباری اور شاہی زبان کی حیثیت حاصل تھی مغل حکمران نہایت ادب نواز اور کمال درجہ شعر و سخن کے دلدادہ تھے ان کے دربار میں ملک اور بیرون ملک کے فارسی داں جمع ہوا کرتے تھے، محافل شعر برپا ہوتیں، بادشاہوں کی شان میں قصیدہ گوئی کی جاتی تھی، اس دور میں شاہی سرپرستی کی بہ دولت فارسی زبان و ادب کے وقیع نمونے

افق ادب پر ظاہر ہوئے، مگر مقامی بولی (اردو) شدید عدم توجہی کا شکار رہی، تعلیم یافتہ طبقہ اسے بولنے اور ادبا و شعرا اس زبان میں ادب تخلیق کرنے سے گریزاں رہے، البتہ محض تفنن طبع کی خاطر گاہے گاہے کچھ شعرا اس زبانِ کم ارزش سے دل لگی کر لیا کرتے تھے، اسے بے اعتنائی اور بے توجہی کے قعرِ عمیق سے نکال کر سخن طراز کرنے کا سہرا صوفیائے عظام کے سر ہے، بہ قول بابائے اردو مولوی عبدالحق۔

''اس نومولود زبان میں لکھنا اہل علم اپنے لیے باعث عار سمجھتے تھے اور وہ اپنی عالمانہ تصانیف کو اس حقیر اور بازاری زبان کے استعمال سے آلودہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ یہ صوفی ہی تھے جنھوں نے سب سے پہلے جرأت کی اور اس کفر کو توڑا، اصل صوفی ظاہری ننگ و عار سے بالا ہوتا ہے اس نے پھر ایک بار یہ دکھا دیا کہ حقیر سے حقیر چیز سے بھی کیسے کیسے بڑے کام نکل سکتے ہیں، یہ صوفیوں کی ہی جرأت کا فیض تھا کہ ان کی دیکھا دیکھی دوسرے لوگوں نے بھی جو پہلے ہچکچاتے تھے اس کا استعمال شعر و سخن، مذہب و تعلیم، اور علم و حکمت کے اغراض کے لیے شروع کر دیا، یہی وجہ ہے کہ میں ان صوفیائے کرام کو اردو کا محسن خیال کرتا ہوں''۔

(اردو زبان کی ابتدائی نشوونما میں صوفیا کا کام ص 69)

گجرات، دکن اور بعد ازآں جنوبی ہند میں چوں کہ مقامی بولی کا ہی رواج تھا اور فارسی جاننے والوں کا فقدان تھا لہٰذا ان علاقوں میں اردو زبان خوب رائج ہوئی، اردو کے ارتقاء، ترویج اور تفریغ میں جہاں دیگر عوامل و عناصر کارفرما ہیں وہیں صوفیائے کرام کی کاوشوں کو بھی کافی دخل ہے، صوفیائے کرام مختلف علاقوں سے ہجرت کر کے ہندوستان تشریف لائے تھے ان کی آمد کا بنیادی مقصد تبلیغ اسلام تھا، تبلیغ دین کی خاطر انہوں نے جہاں دیگر متنوع و متعدد طُرُق اختیار کیے وہیں تبلیغ و تفہیم کی

اولیں شرط "ہم زبانی" کو پورا کرنے کے لیے مقامی زبان سیکھی اور عربی و فارسی پر بھرپور گرفت کے باوجود مقامی زبان کو ہی ذریعۂ اظہار بنایا، یہ سب ان کی تبلیغی حکمت عملی کا حصہ تھا حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی بابت معروف ہے کہ وہ عربی و فارسی میں درس فقہ و تصوف کے بعد یہ زبانیں نہ جاننے والوں کی خاطر ہندی میں بھی تقریر کیا کرتے تھے، نیز صوفیائے کرام نے تبلیغ و ارشاد کے علاوہ اس زبان میں ادب تخلیق کر کے اسے استحکام بخشا، ہندوی زبان میں شاعری کی خاطر انہوں نے ہندوی تخلص اختیار کیے، نرم آہنگی اور فقیرانہ سادگی سے متصف یہ پر کیف اور ذوق افزا کلام آج بھی قوت تاثیر رکھتے ہیں، وہ دور چوں کہ شعر و موسیقی کا دور تھا لہٰذا صوفیائے کرام نے عوام الناس تک اپنا پیغام پہنچانے کے لیے ایسی شعری اصناف کا انتخاب کیا جنہیں گایا بھی جا سکے، ان کے اشعار کی زبان زیادہ تر عام فہم ہوتی تھی، ابتدا میں صوفی شعرا کا کلام خالص ہندوی میں تھا پھر آہستہ آہستہ عربی و فارسی الفاظ و تراکیب سے مزین ہونے لگا، صوفیائے کرام کی ان شعری نگارشات کو برصغیر میں خوب پذیرائی حاصل ہوئی، رواداری اور مساوات پر مبنی یہ اشعار ہندوستان کے طبقاتی تقسیم اور استحصال زدہ معاشرے کے لیے حیات بخش پیام ثابت ہوئے، صوفیائے کرام کے معتقدین و متسلکین نے از راہ عقیدت صوفیا کے شعری اثاثوں کو محفوظ رکھا، اگرچہ ان صوفیا کا مطمح نظر فروغ و اشاعت زبان نہ تھا، مگر تبلیغ کے ضمن میں زبان کی قسمت بھی سنورتی گئی، اور مسلم ثقافت ہندوستانی زبان اور معاشرے میں سرایت کرتی گئی، زبان اردو پر صوفیائے کرام کے اس محسنانہ طرز عمل کو تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی متعدد مؤرخین نے صوفیائے کرام کی لسانی و ثقافتی خدمات کا وسیع القلبی سے اعتراف کیا ہے۔

تاریخ ادب اردو میں جمیل جالبی رقم طراز ہیں" مسلمانوں کے ترقی پذیر نظامِ خیال کا تازہ خون، ان کی قوت عمل اور فکری توانائی چوں کہ اس زبان میں شامل ہو چکی تھی اس لیے یہ زبان ایک ترقی پذیر زبان بن کر ہر زبان کے الفاظ ایک زندہ زبان کی طرح اپنے اندر تیزی سے جذب کر کے ان علاقوں سے قریب تر ہوگئی تھی۔۔۔۔لیکن اہل علم اسے شائستگی سے دور اور قوت اظہار سے محروم جان کر فارسی ہی میں داد سخن دیتے اور قدر و منزلت کے موتی رولتے تھے، لیکن جسے عوام تک پہنچنا ہوتا وہ اسی کو ذریعۂ اظہار بناتا، اس لیے صوفیائے کرام نے تبلیغ دین کے لیے اسی زبان کو ذریعۂ اظہار بنایا اور اسے ادبی سطح پر لانے میں اہم کردار ادا کیا، انہی صوفیا کے ملفوظات اور شاعری اس زبان کے قدیم ترین نمونے بن کر آج بھی تاریخی و لسانی اہمیت رکھتے ہیں"۔

(تاریخ ادب اردو از جمیل جالبی جلد اول ص 17)

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اردو کے ابتدائی و ارتقائی دور کے شعرا میں معتد بہ تعداد صوفیائے کرام کی ہے اور قدیم اردو کے منظوم و منثور ادبی سرمائے کا بڑا حصہ متصوفانہ مزاج رکھتا ہے جو زبان اردو سے اہل تصوف کے مستحکم ربط و ضبط کی دلیل ہے، اردو شاعری کی ایک پوری صنف "جکری" صوفیا سے منسوب ہے جکری اصل میں "ذکری" تھا جو سماع کی قبیل کی صنف ہے، یہ صوفیانہ گیت تھا جسے سازوں پر گایا جاتا تھا، حمد، ذکر رسول، ذکر مشائخ اور واردات باطنیہ کا ذکر وغیرہ اس کے موضوعات تھے شیخ باجن شاہ، جیو گام دھنی اور قاضی محمود دریائی وغیرہم جیسے صوفیا اس صنف کی بابت مشہور ہیں، اردو غزل کے ابتدائی نمونے بھی صوفیائے کرام یا ان کے منسلکین سے منسوب ہیں، اردو کی پہلی غزل کی کڑیاں طوطی ہند امیر خسرو سے ملتی ہیں جو حضرت

محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیا علیہ الرحمۃ کے چہیتے اور لاڈلے مرید تھے آپ کی ابتدائی غزل دولسانی ریختے کی طرز پر ہے "زحال مسکیں مکن تغافل" کا ایک مصرع اردو اور دوسرا فارسی میں مرقوم ہے، اس کے علاوہ اسی مزاج کی کئی غزلیں، پہیلیاں، دوہے، دوسخنے وغیرہ آپ سے منسوب ہیں، اردو شاعری کو نئی جہت سے آشنا کرنے والے "ولی دکنی" بھی سلسلۂ سہروردیہ کے بزرگ شاہ نورالدین سے منسلک تھے، دہلی کے طبقۂ دوم کے شعرا میں اصلاح زبان کے حوالے سے اولیت رکھنے والے شیخ ظہورالدین حاتم سہروردی، محمد امین سہروردی نامی بزرگ کے دست گرفتہ تھے، ان کے علاوہ ان صوفیا کی فہرست طویل ہے جنھوں نے اردو کی بنیادیں مضبوط کرنے میں اہم کردار ادا کیا، جن کے الگ الگ ذکر کا یہ محل نہیں۔

صوفیائے کرام نے اردو زبان کو اپنا کر نہ صرف اس سے تبلیغی منفعت حاصل کی بلکہ اس زبان کو عربی و فارسی مفردات، مرکبات اور مصطلحات سے ثروت مند بھی کیا، چوں کہ معاشرہ کے ہر طبقہ کے لوگ ان صوفیا سے فیض یاب ہوتے تھے لہٰذا ہندوی میں عربی و فارسی الفاظ کی یہ آمیزش عوام کے مزاج کا حصہ بنتی گئی، دراصل دعوت و تبلیغ کی خاطر اسفار اختیار کرنا انبیائے کرام کی سنت ہے اسی سنت کی ادائیگی کے لیے برصغیر کے صوفیائے کرام نے بھی ملک کے طول و عرض کی جانب سفر کر کے ظلمت خانۂ کفر میں قندیل ایمان روشن کرنے کی بے مثال کاوشیں کیں، یہ مردان حق پرست جہاں جہاں بھی گئے توحید و رسالت اور ایمان و اعتقاد کا اجالا بکھیرتے گئے، اردو زبان بھی ان کی معیت میں نگر نگر گھومی، کوچہ کوچہ پھری، اور ہر جگہ اپنے اثرات مرتب کیے، اور ایمان و اسلام کی ہمراہی میں اردو زبان بھی پورے برصغیر میں پھیل گئی، ساتھ ہی صوفیائے کرام کے اشعار بھی زبان زد خاص و عام ہو گئے۔

لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اردو کے ابتدائی تشکیلی زمانے میں اردو زبان صوفیا کی خانقاہوں میں صدیوں پروان چڑھی، اس کے خدوخال اجاگر ہوئے، اور اس کا بنیادی ڈھانچہ تکمیلی مراحل تک پہنچا، غالباً اردو زبان میں جذب کی صلاحیت، مختلف السنہ کے الفاظ و محاورات قبول کرنے کی لیاقت، جاذبیت، شیرینی و شکر افشانی خانقاہی ماحول کی دین ہے، اردو زبان کے ابتدائی دور میں ارتقائے اردو کے حوالے سے صوفیا کا کردار خلاقانہ بھی تھا اور محسنانہ بھی۔

ضخامت کے خوف سے تفصیل سے گریز کرتے ہوئے چند صوفیائے کرام کے نام ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں جنہوں نے اردو زبان کی اشاعت اور استحکام میں اہم اور کلیدی کردار ادا کیا۔

خواجہ بندہ نواز گیسو دراز: (متوفی 1422ء)

برہان الدین قطب عالم: (متوفی 1453ء)

سراج الدین ابوالبرکات شاہ عالم: (متوفی 1475ء)

شاہ صدرالدین: (متوفی 1471ء)

شاہ میراں جی شمس العشاق: (متوفی 1496ء)

شیخ بہاوالدین باجن: (متوفی 1506ء)

سید محمد جونپوری: (متوفی 504ء)

قاضی محمود دریائی: (متوفی 1534ء)

شیخ عبدالقدوس گنگوہی: (متوفی 1538ء)

شاہ جیو گام دھنی: (متوفی 1565ء)

شیخ برہان الدین جانم: (متوفی 1582ء)

شیخ خوب محمد چشتی: (متوفی 1614ء)

شاہ حسین: (متوفی 1599ء)

عبدالرحیم خان خاناں: (متوفی 1626ء)

مرزا مظہر جان جاناں (متوفی 1781ء)

خواجہ میر درد (متوفی 1785ء)

رکن الدین عشق عظیم آبادی (متوفی 1788ء)

سید علی غمگین دہلوی المعروف حضرت جی (متوفی 1852ء)

عبدالعلیم آسی غازی پوری (متوفی 1917ء)

صوفیائے کرام کے لسانی و ثقافتی کارہائے نمایاں کے متعلق مزید معلومات کے لیے ملاحظہ کیجیے۔

- اردو زبان کی مختصر تاریخ از انور سدید
- دکن میں اردو از نصیر الدین ہاشمی
- اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیا کا کردار از مولوی عبدالحق
- تاریخ ادب اردو از جمیل جالبی
- اردو کا ابتدائی زمانہ از شمس الرحمن فاروقی

# خانقاہ نوابیہ عزیزیہ، ایک تعارف

اصلاح اخلاق و اعمال کے علاوہ ثقافتی، ادبی، لسانی اور شعری سرپرستی بھی خانقاہی نظام کی قدیم روایات کا حصہ رہی ہے، ہر دور میں خانقاہوں سے جلیل القدر صوفیا و اولیا کے ساتھ ساتھ عظیم الشان علما، ادبا اور شعرا بھی سامنے آتے رہے ہیں جن کے مذہبی و دینی مآثر کے ساتھ ساتھ ادبی و تہذیبی مفاخر آج بھی تاریخ کے اوراق پر زریں حروف میں مرقوم ہیں، جن میں سے چند کے نام بطور امثلہ گذشتہ صفحات پر درج کردیے گئے ہیں، برصغیر ہندو پاک کے سلاسل صوفیہ اربعہ کی خانقاہوں نے اردو زبان کے فروغ اور اردو ادب کی ترویج کے سلسلے میں اہم خدمات سرانجام دی ہیں انہیں خانقاہوں کے سلسلۃ الذہب کی ایک مضبوط و مربوط کڑی خانقاہ نوابیہ عزیزیہ (ضلع فتح پور ہسوہ یوپی انڈیا) ہے، جو سلسلۂ ابو العلائیہ، منعمیہ، جہانگیریہ کی ایک اہم ترین شاخ ہے، **"نوابیہ"** کی نسبت بانی خانقاہ کے اسم گرامی "صوفی سید نواب علی شاہ" رضی اللہ عنہ سے ہے جب کہ **"عزیزیہ"** کی نسبت صاحب سجادہ کے نام نامی اسم گرامی "صوفی سید محمد عزیز الحسن شاہ" (دام ظلہ) سے ماخوذ ہے، یہ عدیم المثال خانقاہ اس وقت ہندو پاک کی جملہ خانقاہوں میں منفرد مقام اور ممتاز حیثیت

کی حامل ہے، تصوف کی قوی روایات کے احیا و ارتقا کے ساتھ ساتھ علم و ادب کی سرپرستی اس عظیم خانقاہ کا اختصاص ہے گویا یہ خانقاہ ایک ایسا ادارہ ہے جو علم شریعت وطریقت اور شعری و ادبی روایات کا بحر بے کنار ہے، علمی و عملی تصوف کے فروغ، خانقاہی اقدار کی نشاۃ ثانیہ، خدمت خلق، عشق رسول وآل رسول علیہم السلام کے ابلاغ و ترسیل کے علاوہ علم و ادب کی سرپرستی، منظوم و منثور تقدیسی ادب کی اشاعت و فروغ نیز بہاریہ شاعری کے روشن امکانات کے ضمن میں خانقاہ نوابیہ عزیزیہ کے مثالی کارنامے ناقابل فراموش ہیں۔

# بانیِ خانقاہ

خانقاہ نوابیہ عزیزیہ کے بانی مبانی شمس العارفین، بدر الکاملین، فخر السالکین، عاشق سید المرسلین **حضرت الحاج صوفی سید نواب علی شاہ** رضی اللہ عنہ سلسلہ جہانگیریہ کے فرد فرید، سلطان الاولیا حضرت الحاج خواجہ صوفی محمد حسن شاہ جہانگیری ابو العلائی علیہ الرحمۃ کے قابل فخر اور لاڈلے مرید ہیں، آپ کے والد ماجد حضرت صوفی محمود علی شاہ ایک درویش حق آگاہ حضرت علامہ عبد الرؤف رسوا مراد آبادی کے دامن گرفتہ تھے حضرت رسوا چوں کہ خواجہ اللہ بخش تونسوی کے ایک مرید و خلیفہ حضرت علامہ عبد الرحمان المتخلص بہ حیا بدایونی سے مرید تھے تو یوں صوفی سید محمود علی شاہ صاحب کو چشتی نظامی نسبت حاصل تھی، یہی وجہ ہے کہ بچپن ہی سے حضرت صوفی سید نواب علی شاہ کی طبیعت اور مزاج میں چشتیت سرایت کر گئی، واضح رہے کہ سلسلہ ابو العلائیہ میں چشتیت کا غالب رجحان پایا جاتا ہے۔

آپ کی ولادت باسعادت 4 رجب المرجب 1350ھ بمطابق 1931ء میں ہوئی، آپ کا اسم گرامی "**نوّابِ علی**" رکھا گیا یعنی حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے نائب و جانشین، آپ بلاشبہ اسم با مسمّیٰ تھے، اوائل عمری سے ہی طبع کا میلان اعمال خیر کی جانب تھا، زہد و ورع اور خیر و صلاح کا پیکر اور اپنے اسلاف کی تعلیمات کا مظہر اتم تھے، حصول علم کی لگن کے ساتھ ساتھ گھر کے دینی ماحول اور والدین کی رہنمائی نے آپ میں علم و ادب کا ذوق پیدا کیا، آپ نے ابتدائی تعلیم

اپنے آبائی وطن نظام مئی کے قریبی اسکول سے حاصل کی لیکن کچھ عرصہ بعد معاشی مشکلات اور گھریلو ذمہ داریاں محسوس کرتے ہوئے اسکول کو خیر باد کہا اور بمبئی (جو کہ اب ممبئی ہے) تشریف لے گئے، جہاں خوبیِ قسمت سے آپ کو بہترین اساتذہ میسر آئے جن کی رہ نمائی اور تربیت نے آپ کے ظاہر و باطن کو صیقل کر دیا حضرت ابو صالح کمال مہاجر مکی علیہ الرحمۃ نے آپ کی علمی و روحانی تربیت کی، آپ نے ان سے علم تجوید اور دیگر علوم دینیہ حاصل کیے، پھر 1952ء میں سلطان الاولیا خواجہ صوفی محمد حسن میاں رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر شرف بیعت سے سرفراز ہوئے، مرشد کامل کے خصوصی التفات اور باطنی توجہات سے آپ معرفت کے اسرار و رموز سے آگاہ ہوئے اور آپ کو سلوک وعرفان کی منازل طے کروائی گئیں، 1960ء میں شہید ملت حضرت عبد العزیز میاں (جانشین خواجہ حسن) نے آپ کی خلافت و اجازت کا اعلان فرمایا اس کے بعد آپ نے سلسلۂ عالیہ جہانگیریہ ابو العلائیہ کے فروغ و اشاعت کے لیے عملی کوششوں کا آغاز کر دیا، اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے ملک کے طول و عرض کا سفر کیا، اور ہزاروں بھٹکے ہوؤں کو راہ سلوک پر گامزن کر کے منزل آشنا کیا اور بے شمار تشنگان معرفت کو شراب وحدت کے جام سے سرفراز فرمایا، کثیر افراد کو خلافت و اجازت بھی مرحمت فرمائی۔

آپ صاحب حال و قال بزرگ تھے، صوفیائے کرام کے علاوہ علمائے عظام بھی آپ کے تجر علمی اور تخصص دینی کے قائل تھے، جب بھی آپ سے کوئی علمی نکتہ دریافت کیا جاتا تو ایسا مدلل و مسکت جواب عطا فرماتے کہ اہل دانش و بینش بھی متعجب و حیران رہ جاتے، دعوت و ارشاد کے سلسلہ میں آپ ایک بار ہندوستان کے صوبہ راجستھان کے قصبہ ٹونک میں بھی تشریف لے گئے، (ٹونک کے حفاظ و قراء

بہت مشہور تھے ) آپ کا معمول شریف یہ تھا کہ کسی نئے علاقے میں تشریف لے جاتے تو کسی مسجد میں قیام فرمایا کرتے تھے یا جنگل میں ۔ٹونک پہنچے تو ایک مسجد میں تشریف لے گئے ،اہل علاقہ نے آپ کو بھی کوئی حافظ یا قاری سمجھ کر امامت کے لیے کھڑا کر دیا،اس مسجد میں پہلی دو صفیں حفاظ و قراء کی تھیں ،آپ نے نماز شروع کی، بعد از نماز تمام حفاظ و قراء بولے کہ ایسی قرات تو ہم نے زندگی بھر نہیں سنی ،اس واقعہ کے بعد کثیر لوگ آپ کے دست اقدس پر بیعت کر کے داخل سلسلہ ہو گئے ۔

آپ کی تہ دار اور پر وقار شخصیت کا سب سے اہم ترین اور نمایاں پہلو اپنے مریدین و معتقدین کی تربیت و اصلاح اور ان کے اخلاق و کردار کی تعمیر و تشکیل تھا، آپ ہر ہر پہلو سے اپنے وابستگان کی تربیت فرمایا کرتے تھے ،سب پر یکساں التفات فرماتے حتی کہ ہر کوئی یہ سمجھتا کہ آپ مجھ پر سب سے زیادہ مہربان ہیں،آپ کی حیات مبارکہ اسوۂ حسنہ کی عملی تفسیر تھی ،آپ کے یہاں خویش و بیگانہ کی کوئی قید نہ تھی، دیگر سلاسل سے وابستہ لوگ بھی آپ کی بارگاہ میں آیا کرتے تھے اور آپ سب کو اپنی بے پایاں شفقت سے نوازا کرتے تھے ،آج بھی ایک عالم آپ کے لطف و کرم کا معترف ہے،آپ کی بارعب شخصیت اور پر تاثیر انداز گفتگو نے عوام الناس کے قلوب کو مسخر کر لیا،آپ نے خلق خدا کو شعور بندگی اور سلیقۂ زندگی بخشا،آپ فنافی الرسول و آل رسول علیہم الصلوٰۃ والسلام تھے،اہل بیت اطہار علیہم السلام سے آپ کی محبت مثالی تھی،آپ غایت درجہ ادب شناس اور سخن فہم تھے،اوائل عمری سے ہی شعر و ادب سے دلچسپی اور لگاؤ رکھتے تھے،وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ ذوق و شوق فزوں تر ہوتا گیا ،آپ اکثر اوقات اپنے والد گرامی مرتبت کے پیر و مرشد حضرت رسوا شاہ صاحب کی غزلیں سماعت فرمایا کرتے تھے،اس کے علاوہ عارفانہ کلام اور نعت و مناقب سے

بھی بے انتہا لگاؤ تھا، البتہ آپ نے باقاعدہ شاعری نہیں کی لیکن آپ کے مرید جناب انجم کلیمی نوابی کی شاعری اور ادبی فتوحات آپ کے اسی ذوق وشوق کی دین تھی، (انجم کلیمی نوابی کے مفصل احوال اور نمونہ کلام آئندہ صفحات پر پیش کیے جائیں گے)

آپ کی حیات مبارکہ میں خانقاہ شریف میں اکثر اوقات حلقۂ ذکرواذکار کے ساتھ ساتھ علم وادب کی نشستیں بھی منعقد ہوا کرتی تھیں، ان ادبی مجالس نے اہل سلسلہ کو ایک خاص ادبی وشعری تذوق سے روشناس کروایا، جمیع اصناف نظم میں دل چسپی رکھنے کے باوصف تقدیسی ادب بالخصوص نعت ومناقب سے آپ کی دل چسپی کمال درجے کو پہنچی ہوئی تھی سفر وحضر، خلوت وجلوت غرض ہر وقت اور ہر حال میں آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح ونعت آپ کی زبان پر جاری وساری رہتی تھی، آپ نعت سننے کے اس قدر شائق تھے کہ اپنے بڑے فرزند حضرت صوفی سید محمد عزیز الحسن شاہ دام ظلہ (صاحب سجادہ) سے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "تم مجھے نعت سناؤ میں تمہارا غلام بن جاؤں گا" نعت گوئی ونعت خوانی سے وابستہ ہر شخص آپ کے نزدیک معزز ومکرم تھا، شدید علالت میں دوا کی بجائے نعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سماعت کو ترجیح دیتے اور اسی میں سکون وطمانیت محسوس کرتے تھے۔

آپ کی زندگی عاجزی، انکساری اور فروتنی کا نمونہ تھی، آپ کے متبسم چہرے، پُرخلوص مزاج اور خلیق طبیعت نے مخلوق خدا کو اپنا گرویدہ بنا لیا، آپ نے نہایت سادگی سے زندگی بسر کی، ملبوسات کے تین جوڑے سے زیادہ کبھی اپنے پاس نہ رکھے، اپنی ذاتی آمدن سے نہ صرف اہل خانہ کی کفالت کرتے بلکہ اپنے مریدین و متوسلین کی ضروریات بھی پوری کیا کرتے تھے، آپ فرمایا کرتے تھے کہ "مجھ پر کبھی

پیری یا سیٹھائی غالب نہیں آئی"۔ اگر کوئی مرید نذر پیش کرتا تو اسے کئی گنا زیادہ عطا فرماتے، خانقاہ نوابیہ عزیزیہ میں تا حال یہی معمول رائج ہے کہ یہاں آنے والوں کے دامن بھرے جاتے ہیں، خوب خوب مہمان نوازی کی جاتی ہے اور ایسا نوازا جاتا ہے کہ فی زمانہ جس کی مثال مفقود ہے۔

آپ نے دین و مذہب اور سلسلہ عالیہ جہانگیریہ کے فروغ و اشاعت کے لیے بے مثال جد و جہد اور کاوشیں کیں، مختلف علاقوں میں درج ذیل خانقاہیں تعمیر کروائیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

1: خانقاہ نوابیہ عزیزیہ دوحد شریف گجرات

2: خانقاہ نوابیہ عزیزیہ احمد آباد گجرات

3: خانقاہ نوابیہ عزیزیہ بھیونڈی مہاراشٹر

4: خانقاہ نوابیہ عزیزیہ ممبئی

آپ نے 30 جون 1993 بمطابق شب عاشور 1414ھ وصال فرمایا، آپ کا مزار پر انوار آپ کے وطن قاضی پور شریف میں آپ کے کاشانہ مبارک کے بالمقابل واقع ہے جو مرجع خلائق اور مصدر حسنات ہے۔

آپ کا عرس مبارک ہر سال نوتا بارہ شوال المکرم نہایت تزک و احتشام سے منعقد کیا جاتا ہے جس میں ملک کے طول و عرض سے لوگ حاضری کی سعادت حاصل کرتے ہیں اور مستفید و مستفیض ہوتے ہیں۔

# سجّادہ نشین

سید الاصفیا، مخدوم الاتقیا **حضرت صوفی سید محمد عزیز الحسن شاہ** نوابی لیاقتی دام ظلہ خانوادۂ سید نواب علی (رضی اللہ عنہ) کی زیب و زینت بن کر 20 جولائی 1967ء کو اس عالم آب و گل میں تشریف لائے، آپ کا اسم گرامی "محمد عزیز الحسن" رکھا گیا، والدین کی اعلیٰ پائے کی دینی تربیت اور گھر کی پُر ذوق فضا نے کم عمری ہی سے آپ میں علم دین حاصل کرنے کا جذبہ پیدا کر دیا تھا، آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے علاقے کی درس گاہ سے حاصل کی، جلد ہی فارسی و عربی پر دسترس تامہ حاصل کر لی، فارسی ادبیات اور دینیات میں تخصص حاصل کیا، بڑے بیٹے ہونے کے ناتے آپ کو ایک عرصہ اپنے والد و مرشد گرامی کی قربت نصیب رہی، اکثر اوقات تبلیغی و اشاعتی اسفار میں آپ اپنے والد گرامی کے ہمراہ تشریف لے جایا کرتے تھے، ان لطیف صحبتوں کی بہ دولت ابتدا ہی سے علمی وجاہت اور ادبی لیاقت کے ساتھ صوفیانہ متانت آپ کی سیرت و کردار کا حصہ بن گئی، اور راہ سلوک کی کٹھن منازل طے کرنا آپ کے لیے سہل ہو گیا۔

بانی خانقاہ قطب الاقطاب، عارف باللہ حضرت الحاج صوفی سید نواب علی شاہ رضی اللہ عنہ کے وصال شریف کے بعد آپ مسند سجادگی پر رونق افروز ہوئے اور دعوت وارشاد، سلسلہ عالیہ جہانگیریہ کے فروغ واشاعت اور اکابرین سلسلہ کی روحانی و عرفانی تحریک کو پھیلانے کے لیے ہمہ دم کوشاں اور ہمہ تن مصروف عمل ہیں۔ سلسلہ عالیہ نوابیہ کا فروغ واستحکام آپ کا نصب العین بھی ہے اور مقصد زیست بھی، اس مقصدِ جلیل کی تکمیل کے لیے اکثر اوقات تبلیغی وتربیتی اسفار کا سلسلہ جاری رہتا ہے حتیٰ کہ شدید علالت بھی اس راہ عزم وعزیمت میں کبھی رخنہ انداز نہیں ہوئی، خانقاہ نوابیہ عزیزیہ کا انتظام و انصرام، وابستگان سلسلہ کی تعلیم وتربیت، دلوں میں عشق خدا و رسول کی جوت جگانا، ملت کا تحفظ اور سنّیت کی بقا آپ کی اہم ترین ترجیحات میں سے ہیں۔

آپ ایک بے مثال مصلح، شفیق مربی، کامل رہبر اور متبحر عالم دین ہیں، میدان شعر وسخن کے شہسوار ہیں، نعت ومناقب اور متصوفانہ غزل آپ کا طرۂ افتخار ہے (آپ کی شاعری کا مفصل ذکر اور نمونہ کلام آگے پیش کیا جائے گا)۔

خالق کائنات نے آپ کو مجمع محاسن و اخلاق بنایا ہے، آپ حسن کردار، جودت افکار اور شیرینی گفتار جیسے اوصاف عالیہ سے متصف ہیں، آپ تقویٰ شعار، پیکرِ انکسار، حامل فہم و ذکا اور صاحب تسلیم ورضا ہیں آپ جان عشق و وفا بھی ہیں اور شان صدق وصفا بھی، رمز آشنائے حقیقت بھی ہیں اور نکتہ شناس معرفت بھی، آپ کی ذات خزاں کے پنجۂ بیداد میں محصور خلق خدا کے لیے ابر بہار سے کم نہیں، آپ کے اخلاق حسنہ نے ایک عالم کے قلوب واذہان کو مسخر کر رکھا ہے، منتسبین و وابستگان سلسلہ نوابیہ عزیزیہ کی روحانی وادبی پرداخت، اعتقادی وعملی اصلاح اور علمی وادبی شعور کی بیداری میں آپ کی کد وکاوش اور مساعی جمیلہ کا اہم ترین کردار ہے، آپ کے دم قدم سے

خانقاہ نوابیہ میں ذکر واذکار کے حلقے بھی ہیں، فکرودانش کی بزم ناز بھی ہے، علم وادب کی مجالس بھی ہیں، نعت ومناقب اور شعروسخن کا فروغ بھی ہے، مذہبی مسائل کا حل بھی یہیں سے ملتا ہے، تشنگان معرفت کی سیرابی کا سامان بھی ہے، تزکیہ وتصفیہ بھی ہوتا ہے، دلوں کے زنگ اترتے ہیں، روحوں کے قفل ٹوٹتے ہیں، قوت فکروعمل پر پڑے ہوئے غفلت وبے عملی کے دبیز پردے چاک کیے جاتے ہیں، جس سے بندگان خدا کے قلوب وارواح کو جلا ملتی ہے اور افراد، معاشرے کے مفید ارکان میں مبدل ہوتے ہیں، بالیقیں یہ برکات صاحب سجادہ دام ظلہ کی ذات والاصفات کی بہ دولت ہیں، اللہ کریم ہمیں تادیر ان کے فیضان کرم وکرامت سے نوازے۔ آمین

# خانقاہ نوابیہ عزیزیہ میں شعری روایت

جیسا کہ درج بالا سطور سے ظاہر ہے کہ **خانقاہ نوابیہ عزیزیہ** ایک ایسا مرکز عقیدت ومحبت ہے جہاں ہمہ دم علم وادب اور شعر وسخن کا دور دورہ رہتا ہے، اردو زبان وادب کے فروغ میں اس خانقاہ کی خدمات قابل رشک ہیں، بانی خانقاہ (حضرت صوفی سید نواب علی) کی ہمہ جہت و ہمہ گیر شخصیت کے فیضان نے اس خانقاہ کو روحانیت کے ساتھ ساتھ ادب شناس بھی کیا ہے، بہ ایں سبب وابستگان سلسلہ میں قلزم عرفان کے شناور بھی ہیں اور آسمان شعر وسخن کے آفتاب وماہتاب بھی، اس خانقاہ سے اشاعت آشنا ہونے والا بیشتر تخلیقی وتنقیدی ادب عصری معیار اور جدید تقاضوں سے ہم آمیز ہے اور معاصر ادبی منظر نامے پر الگ پہچان رکھتا ہے۔

خانقاہ نوابیہ عزیزیہ کے شعرا کی غزل گوئی تہذیبِ لفظی اور تطہیر معنوی کے ساتھ ساتھ مفاہیم کی نئی دنیاؤں کی دریافت اور حرف ونوا کے جدید رنگوں کی بازیافت کا بہترین نمونہ ہے، غزل کی جدید موضوعاتی اور تخلیقی امکانات سے ہم کناری سلسلہ نوابیہ کے شعرا کے کارہائے نمایاں میں شامل ہے، علیٰ سبیل المثال حضرت سید محمد نور الحسن نور نوابی عزیزی، سید مجیب الحسن نوابی عزیزی اور یاور وارثی عزیزی نوابی کی غزل تازہ کاری اور کلاسیکی رچاؤ کی عمدہ مثال ہے، صاحب سجادہ دام ظلہ کی غزل متصوفانہ روایت کا تسلسل اور ارتقا ہے جب کہ انجم کلیمی نوابی کی غزل روایت وکلاسیکیت کا بھرپور اظہاریہ ہے، حبیب سرور نوابی کی غزل بھی روایت سے ہم قدم ہے البتہ کہیں کہیں تازہ کاری کی لپک صاف دکھائی دیتی ہے، جب کہ کفیل عزیزی نوابی کی غزل

گوئی قدیم وجدید طرز شاعری کا سنگم ہے گویا غزل کے معاملے میں ہر شاعر کا اپنا مزاج اور ذوق ہے، سب کے لہجے جدا، آہنگ الگ ہیں البتہ ایک چیز جو سب میں مشترک ہے وہ خیالات کا ترفع اور مضامین کی تطہیر ہے، بہاریہ شاعری کے علاوہ بالخصوص تقدیسی ادب کی ترویج اس خانقاہ کی شناخت بن چکی ہے، حمد ونعت اور مناقب گوئی کو ادبی دھارے سے ہم آہنگ کرنا اس خانقاہ کے امتیازات میں سے ہے، عصر موجود میں نعت پاک کے حوالے سے یہ خانقاہ ایک رجحان ساز ادارہ بن چکی ہے، نعتیہ ادب کا سبک رفتار کارواں فیضان نوابی عزیزی کے سائے میں منازل ارتقا کی جانب رواں دواں ہے، چمنستان نوابی میں نعتیہ ادب کی بہاروں کے قافلے پے بہ پے اترتے رہتے ہیں نعت گوئی اور نعت خوانی سے ایسی گہری شیفتگی ووابستگی بہت کم خانقاہوں میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ (الا ماشاءاللہ)

چوں کہ مشاعرے ہر عہد میں کسی بھی زبان وادب کی ترقی اور عوامی سطح پر سخن فہمی کے فروغ کا باعث بنتے ہیں، (واضح رہے کہ یہاں آج کل کے فیشن زدہ مشاعرے مقصود نہیں) لہٰذا مشاعروں کی اسی دوررس افادیت کے پیش نظر خانقاہ نوابیہ عزیزیہ میں مشاعروں کے انعقاد کی روایت پورے اہتمام سے جاری وساری ہے خانقاہ نوابیہ عزیزیہ میں ہر سال عرس نوابی کے موقع پر عظیم الشان مشاعرے کا انعقاد ہوتا ہے جس میں ملک بھر کے کثیر شعرا و ادبا شرکت کرتے ہیں اور داد سخن دیتے ہیں، عمدہ تخلیقی کاوشوں کی خاطر خواہ پذیرائی اور حوصلہ افزائی سے متاثر ہو کر عرس کے علاوہ دیگر اوقات میں بھی یہاں شعرا کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے، عرس نوابی کے علاوہ دیگر بزرگان سلسلہ ومشائخ عظام کے اعراس نیز میلاد النبی ﷺ اور عاشورۂ محرم کے موقع پر بھی محافل نعت و مناقب کا انعقاد ہوتا ہے جن میں نعت و

مناقب کے علاوہ متصوفانہ کلام بھی پیش کئے جاتے ہیں، نیز محافل سماع کا انعقاد بھی ہوتا رہتا ہے جن میں اردو و فارسی کے معروف کلام پڑھے جاتے ہیں ان تمام تواریخ میں سلسلہ نوابیہ عزیزیہ کے تمام مراکز پر محافل کا انعقاد ہوتا رہتا ہے۔

خانقاہی نظام کے دورِ تنزل اور فضائے جہل وعصیاں میں یہ عظیم خانقاہ ارتقائے علم و ادب کے روشن امکانات کی دلیل ہے خانقاہ نوابیہ عزیزیہ کی شعری و ادبی خدمات نے خانقاہ کے متعلق عام تصور کو بدل کر رکھ دیا ہے اور ملکی وغیر ملکی شعرا و ادبا نے وسیع القلبی سے اس (خانقاہ نوابیہ) کی ادبی کاوشوں کا اعتراف کیا ہے۔

خانقاہ نوابیہ عزیزیہ کی ان ادبی فتوحات اور لسانی خدمات کے پس پردہ بانی خانقاہ کے عظیم خانوادہ کی ادب نوازی و سخن شناسی کارفرما ہے آپ کے تینوں صاحبزادگانِ ذی احترام اعلیٰ درجے کی تخلیقی و تنقیدی صلاحیتوں کے امین ہیں، میرے پیر و مرشد وارث فیض نبوت و ولایت، منبع علم و حکمت حضرت صوفی سید محمد عزیز الحسن شاہ نوابی لیاقتی دام ظلہ (صاحب سجادہ آستانہ عالیہ نوابیہ) فارسی اور اردو کے قادر الکلام شاعر ہیں، نعت و منقبت گوئی کے علاوہ عارفانہ کلام بھی خوب کہتے ہیں، بانی خانقاہ کے منجھلے صاحبزادے میرے استاد گرامی قدر شاعر جدت طراز حضرت سید محمد نور الحسن نور نوابی عزیزی حمد، نعت، مناقب اور غزل کے جدید شعرا سے ہیں، چھوٹے صاحبزادے ادیب شہیر حضرت سید محمد مجیب الحسن مجیب نوابی اصناف مذکورہ کے قادر الکلام شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ماہر نثار و انشا پرداز بھی ہیں الغرض اس روحانی و علمی خانوادے کا ہر ہر فرد علم و ادب کا روشن منارہ ہے اور اہل سلسلہ میں ادبی شعور کی بیداری میں کوشاں ہے جن کے زیر سایہ اہل سلسلہ کے شعرا و ادبا کا قافلہ علمی کارہائے نمایاں سرانجام دینے میں مصروف ہے۔

# خانقاہ نوابیہ عزیزیہ کے چند شعرا

# حضرت سید محمد عزیز الحسن عزیز نوابی

حضرت صوفی سید محمد عزیز الحسن شاہ نوابی دام ظلہ (سجادہ نشین آستانہ عالیہ نوابیہ قاضی پور شریف) المتخلص بہ "عزیز" (دام ظلہ) صاحبان علم وفن اور نکتہ سنجان ادب میں خاص الخاص مقام ومرتبہ اور امتیازی شان رکھتے ہیں، علوم متداولہ کی تحصیل کے ساتھ ہی دیگر زبانوں کی ادبیات شناسی آپ کی علمی جستجو اور ادبی ریاضت پر دال ہے، دینی وادبی حلقوں میں آپ کی سخن پروری اور ادب شناسی کا شہرہ ہے، آپ کا انداز تکلم اور طرز سخن علمی نکات سے معمور ہوتا ہے جس سے ہر کوئی بہ قدر ظرف مستفیض ہوتا ہے، آپ کو اردو، عربی اور فارسی زبان میں مہارت تامہ حاصل ہے، خلاق عالم نے آپ کو جن طرائف سے نوازا ہے ان میں سے ایک آپ کا روح پرور رنگِ شعر وسخن ہے، آپ اردو وفارسی کے قادر الکلام شعرا سے ہیں، آپ کا چمن زار سخن رنگا رنگ گل ہائے نوا سے رنگین ہے، جن میں حمد، نعت، مناقب، تضامین اور غزلیات شامل ہیں آپ کی منظومات کا معتد بہ حصہ نعوت ومناقب پر محیط ہے جب کہ غزل بھی عقیدت ونسبت کی حلاوت سے مملو ہے جس کی قرات سے اہل دل چاشنی گیر ہوتے ہیں، آپ کی شعری نگارشات سے عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اطاعت خدا ورسول کا جذبہ اور خانوادۂ رسول ﷺ سے بے پناہ محبت مترشح ہے، آپ کی جملہ شعری اصناف سے جھلکنے والی التہاب واضطراب اور سوز وگداز کی خاص کیفیت آپ کے امتیازات سے ہے، آپ کا کلام جاذبیت وسلاست، سریع الفہمی اور اثر انگیزی جیسے محامد کا مجموعہ ہے، صدق بیانی، سادگی اور بے ساختگی آپ کے کلام کے بنیادی اوصاف ہیں، گاہے گاہے سادگی

میں پرکاری کی بھرپور لپک صاف محسوس کی جا سکتی ہے، اظہار جذبات کے لیے تمثیلات و محاکات کا ماہرانہ استعمال کر کے الفاظ میں زندگی و تابندگی اور مناظر میں تحرک کی لہر دوڑا دیتے ہیں، آپ کے اشعار کا متن، معانی اور بین السطوری زاویے آپ کے افکار، ترجیحات اور عقائد کا پتہ دیتے ہیں، بنیادی طور پر آپ کی شاعری ایک عاشق صادق کے احوال واقعی کی ہمہ پہلو حکایت ہے جہاں شوق و اشتیاق ،ہجر و فراق، غیب و شہود، قبض و ورود، مدح و تحسین اور اضطراب و تسکین کی بوقلموں کیفیات کا مدوجزر قارئین کو یکسانیت کا شکار نہیں کرتا بلکہ آپ کے سحر انگیز بیانیے کی کشش اور تاثیر خیز اظہاریے کی چمک اول تا آخر دلچسپی کا عنصر برقرار رکھتی ہے۔

ذیل میں بالتناوب آپ کی تمام اصناف شعری کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

**نعت رسول ﷺ:**

نعت تطہیر فکر بھی ہے اور توقیر سخن بھی، یہ ساز دل پر چھیڑا گیا وہ درودی نغمہ ہے جس کی لے مطہر افکار اور منور الفاظ سے ترتیب پاتی ہے، یہ وہ چراغ بے دود ہے جس کے صدقے دنیائے ذہن و خیال میں جا بجا اجالوں کا ورود ہوتا ہے، نعت حجرۂ خیال نبی میں معتکف و مراقب ہونے کا نام ہے، یہ ہر لحظہ جمال شہ امم کا خیال، ہر وقت خصال مصطفیٰ کا تصور، گویا ہر گھڑی نئے طور، نئی برق، نئی تجلیات، کون چاہے گا کہ اس تجلی گاہ انوار سے باہر نکلے، کس کی آرزو ہوگی کہ اس کے اشہب خیال کے قدم رکیں، درحقیقت جسے اس روحانی تلذذ کا ذوق ہو جائے جو مدحت سرور کونین سے عطا ہوتا ہے اس کا نعرۂ مستانہ یہی رہتا ہے۔

کب میں کہتا ہوں کہ یہ مال یہ زر اچھا ہے
یاد آقا ہو فقط زاد سفر اچھا ہے

نہ روک پاؤں گا جذبات کو مدینے میں
لگاؤں گا کوئی نعرہ میں حاجیوں کے قریب

خانقاہوں کے نعت سے گہرے ربط وضبط کی ایک مستقل تاریخ موجود ہے جس سے چشم پوشی ممکن نہیں اس کی سیکڑوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں جن کا یہ محل نہیں، میرا مقصود و منتہیٰ اور پیش نظر تو اپنے پیر خانے کے شعرا کے ملکۂ شعر گوئی کے تذکار ہیں، سجادہ نشین خانقاہ نوابیہ سیدی و مرشدی حضرت صوفی سید محمد عزیز الحسن عزیز نوابی (دام ظلہ) ایک مشاق و ماہر نعت کار ہیں آپ کی نعت نگاری فکری و فنی ہر لحاظ سے درجۂ اعتبار کو پہنچی ہوئی ہے، آپ کے نعتیہ فن پارے روایت سے ہم آہنگی، اظہار بیان کی دل کشی اور زبان و ادب پر ماہرانہ گرفت کے مظہر ہیں، آپ کے نعتیہ اشعار کی بست و بنت، الفاظ کی تقدیم و تاخیر اور شعر کے داخلی و خارجی نظام میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم، آداب رسالت اور تعظیم و تکریم بارگاہ نبوت کا لحاظ قابل دید بھی ہے اور لائق تقلید بھی۔

اس آستاں کو چوم لو جا کر عزیز تم
جبریل جائیں جس جگہ خود کو سنبھال کے

آپ کی نعت نگاری میں سادگی سے بھرپور سیدھے بیانیے کے دوران منظر نگاری کی لہر اہل ذوق کی تسکین خاطر کا سامان کرتی ہے، آپ کے اشعار نعت میں مختلف مناظر کا باہمی ارتباط قاری کو ایک ایسی معنوی و غیر محسوس دنیا سے آشنا کرتا ہے جہاں کہیں تو ماہ شب تاب ہاتھ جوڑ کر ریگ مدینہ طیبہ کے ذرے ذرے سے روشنی کی بھیک کا متمنی ہے، کہیں بوئے طیبہ کی جاں بخشی کے سامنے خلد زار بھی سراپا یاس ہے اور کہیں اذن حاضری سے گلزار دل پیکر بہار ہے آئیے ان مناظر کی چند جھلکیاں ملاحظہ کرتے ہیں۔

بوئے طیبہ جو سونگھتی ہو گی
خلد کی روح جھومتی ہو گی

ان کی تابش کو چوم لے بڑھ کر
دور سے برق سوچتی ہو گی

ریگ طیبہ سے روشنی کے لیے
چاندنی ہاتھ جوڑتی ہو گی

مجھے یقین ہے جنت کی اس کو چاہ نہیں
جگہ ملی جسے طیبہ کی وادیوں کے قریب

آقائے دو جہاں ﷺ سے والہانہ قلبی و روحانی ارتباط ہی وہ کیفیت ہے جسے عشق رسول ﷺ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اصل ایمان اور معراج ایقان یہی ہے، عشق کی پختگی کے آثار یہی ہیں کہ نالوں میں رسائی اور آہوں میں اثر در آتا ہے ان آہوں کی حمد و نعت کی صورت عکس پذیری سلسلہ در سلسلہ جذبات و کیفیات کی منتقلی کا سبب بنتی ہے، میرے ممدوح گرامی (دام ظلہ) کی نعت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا عشق رسول ﷺ زمین نشین بھی ہے اور فلک مرتبت بھی، عشق کے یہ مختلف مدارج و مراحل اور متنوع قلبی کیفیات آپ کے قلم عقیدت رقم کے ذریعے بہ سہولت شعر میں ڈھل کر بہ راہ راست دلوں پر اثر کرتی ہیں شاعر ممدوح چوں کہ صاحب قال ہونے کے ساتھ صاحب حال بھی ہیں لہٰذا آپ کی شاعری روایتی مدح

نگاری کی بجائے صدق وصفا اور عشق و وفا کی علم بردار ہے اپنے ایک شعر میں آپ اپنا تعارف یوں پیش کرتے ہیں۔

مرے مقام کو سمجھیں گے کیا ستارہ شناس
وہ ہیں خیال کے پیرو، میں صوفیوں کے قریب

بلاشبہ اہل اللہ کے مقام تک عقل وخرد کی رسائی حد امکان سے ورا ہے کیوں کہ یہ حضرات صاحبان عشق ہیں اور عشق عنایت موہوبہ ہے جس کا کسب و ریاضت سے کوئی تعلق نہیں، البتہ ذکر محبوب کی کثرت عشق ومحبت کو جلا بخشتی ہے، نعت ذکر رسول ہی تو ہے جو آئینہ محبت کو اجالتی ہے، یہ وہ صیقل گرِ قلب ونظر ہے جو تعقل، تخیل اور تفکر کو ایسی تابندگی بخشتی ہے کہ

ہلکا سا اک خیال ہی آیا دماغ میں
تصویر بن گئی ہے تمہارے جمال کی

نعت وارفتگی و شیفتگی ہی نہیں خود سپردگی کا بھی نام ہے گویا اپنے دل و دماغ اور فکر وخیال کے ساتھ خلقی قدرات کو بھی سپرد عشق شہ لولاک ﷺ کر دینا، یہ وہ کیف محبت ہے جو فکر میں تب و تاب اور سخن میں گداز پیدا کرتا ہے مندرج اشعار میں عشق رسول ﷺ کا فروغ دیکھیے۔

لائے کوئی جواب جو ان سے سلام کا
قدموں میں اس کے رکھ دوں کلیجہ نکال کے

عزیز ہیچ ہے سب رنگ و حسن دنیا کا
نگاہ عشق میں روشن ہیں خد و خال رسول

الٹ کے خود ہی کرے جس نقاب کا چرچا
زمین دل پہ ہے اس آفتاب کا چرچا

آقائے کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں استغاثہ و استمداد بھی اہم موضوعات نعت رہے ہیں، بالخصوص عصر حاضر کی نعت میں یہ رجحانات بہت واضح ہیں، آج کی نعت آشوب عصر کی بہترین ترجمان ہے شاعرِ نعت اپنے انفرادی و اجتماعی مسائل و مصائب حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں پیش کر کے استمداد کرتا ہے، ممدوح گرامی کی نعت نگاری میں بھی استمداد و استغاثہ کے عناصر موجود ہیں، آپ نے نہ صرف آقائے دو جہاں کی بارگاہ میں استغاثہ پیش کیا ہے بلکہ امت کو وہ نسخۂ کیمیا بھی بتا دیا جس میں ان مشکلات کا حل اور آفات سے نجات کی سبیل موجود ہے، آپ کے نزدیک سیل آلام کی یورش و یلغار میں جب کہیں کوئی جائے اماں سجھائی نہ دے اور صرصر ایام باغ جاں کو خزاں یاب کرنے کے درپے ہو تو مصائب کی اس تپتی دوپہری میں رحمۃ للعلمین کی ذات والاصفات شجر سایہ دار کی مثل ہر مصیبت زدہ کو اپنے ظل عاطفت میں چھپا لیتی ہے عصر موجود میں اہل ایمان پر ٹوٹنے والے اجتماعی مصائب سے امان سیرت مطہرہ کی جانب مراجعت اور در رسول سے تعلق کی استواری میں مضمر ہے، ایسا ہو جائے تو پھر کوئی مشکل، مشکل نہ رہے، بے سکونی تسکین آشنا اور غم راحت فزا ہو جائیں۔

کلیجہ تھام کے رونے لگی وہیں مشکل
صدا جو پہنچی مری ان کی جالیوں کے قریب

نبی کا نام لیا، جب کبھی درود پڑھا
مچل کے آ گئی رحمت بھی عاصیوں کے قریب

دور ہو گئی مجھ سے فکر دونوں عالم کی
کہہ دیا ہے آقا نے آج سے تو میرا ہے

آپ کی نعت گوئی میں تغزل اور شعری لطافت اس قدر موجود ہے جو شاعری میں تاثیر کی روح پھونک دیتی ہے۔آپ نے غزل کی ایمائیت، رمزیت، نکتہ وری اور نزاکت کو نعتیہ شاعری سے ہم آہنگ کر کے اردو تقدیسی ادب کو شاعری کے نفیس نمونے عطا کیے ہیں، آپ کے ہاں تشبیہات و استعارات اور تلازمات کا متناسب استعمال ملتا ہے، تکلفاً صنائع بدائع سے دور رہتے ہیں، جو صنعتیں آپ کی شاعری میں در آئی ہیں وہ آپ کی زبان و بیان کی صفائی، بلند خیالی اور شعری فراست کی آئینہ دار ہیں، آپ کے اشعار میں کلاسیکی شاعری کا چراغ فروزاں ہے جس کی لو نہایت روشن اور متوازن ہے۔

**منقبت نگاری:**

آپ کی منقبت نگاری خاصان خداوند تعالیٰ سے آپ کی قلبی و روحانی نسبت اور گہری عقیدت کی غماز ہے آپ نے بیشتر مناقب اہلبیت اطہار علیہم السلام کی شان میں کہی ہیں جس کا سبب یہ ہے کہ آپ خود بھی سادات کرام سے ہیں مزید برآں جس سلسلہ عالیہ کی مسند سجادگی پر متمکن ہیں اس کی خاصیت ہی محبت و مودت اہلبیت پاک ہے سلسلہ عالیہ نوابیہ ابوالعلائیہ میں دیگر عبادات، اذکار اور اشغال کے ساتھ ساتھ اہلبیت اطہار علیہم السلام سے غایت درجہ محبت و مودت کا درس دیا جاتا ہے کیوں کہ یہی وہ نفوس مطہرہ ہیں جن کے دم قدم سے بقائے ایمان وابستہ ہے، ملت اسلامیہ کی حیات وثبات انہیں سے ہے نیز امت مسلمہ کے ارتقا اور تشکیل نو کے لیے اہلبیت اطہار کی مودت، ان کے مقام و مرتبے سے شناسائی اور ان کی سیرتوں پہ عمل

پیرائی لازم ہے اسی لیے ممدوح گرامی نے بہ کثرت اہلبیت اطہار علیہم السلام کے مناقب وخصائص نظم کیے ہیں اوران کی سیرت کے اہم گوشوں کا احاطہ کرنے کی کاوش کی ہے،آپ نے مناقب میں فنی لوازم کا خیال رکھتے ہوئے منقبت کا لہجہ سادہ وعام فہم رکھنے کی بھرپور کوشش کی ہے،آپ نے یہ مناقب کسی بھیڑ چال کا حصہ بننے یا عمومی رجحان کے تحت نہیں کہیں بلکہ جذبۂ صادق آپ کے مصرع مصرع سے عیاں ہے آپ کی منقبت نگاری جذبات کی صداقت سے عبارت ہے،ان مناقب کے داخلی گوشوں سے پھوٹتی ہوئی مودت کی شعاعیں،عشق ووفا سے گندھے الفاظ اور باادب طرز تمنا اس بات کے معلن ہیں کہ حب اہلبیت آپ کی رگ رگ میں بجائے لہوروا ں دواں ہے۔

مولائے کائنات سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی منقبت میں ایک شعر ملاحظہ کیجیے۔

نعرۂ حیدری سینے سے اٹھے زنگ مٹے
اندھے آئینوں کو اس طرح جلا ملتی ہے

محولہ بالا شعر میں دلوں کا زنگ اور میل دور کرنے کا جو نسخہ بتایا گیا ہے وہ آزمودہ بھی ہے اور آقائے دو جہاں ﷺ کا فرمودہ بھی،بلاشبہ حدیث پاک کی رو سے اللہ کا ذکر اور عبادت سے تزکیۂ قلب ہوتا ہے جب کہ یہ بات بھی حدیث سے ثابت ہے کہ ''ذکر علی عبادۃ'' تو بات واضح ہوگئی کہ سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کا ذکر بہ درجۂ بندگی ہے اور دل آئینے کو روشن کرتا ہے۔اس شعر سے مستنبط ہونے والا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ نعرۂ حیدری سے حب علی کرم اللہ وجہہ الکریم بڑھتی ہے اور دل خارجیت کے زنگ اور ناصبیت کے میل سے صاف ہوجاتا ہے۔

ایک اور شعر پیش خدمت ہے۔

تمنا حضرت حیدر کی لوگو اب بھی کہتی ہے
مجھے محبوب کے بستر پہ سونا یاد آتا ہے

شب ہجرت نرغۂ شر اور پنجۂ اعدا میں گھرے ہوئے بیت رسول میں بستر رسول پاک پہ سونا بہ ظاہر ایک امتحان دکھائی دیتا ہے لیکن بہ باطن یہ کسی نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ تھا، شب کی مقرب گھڑیوں میں اس بستر مبارک پہ سونا جو مہبط وحی بھی تھا ایک عظیم الشان شرف ہے جو خصائص مولائے کائنات میں شمار ہوتا ہے۔

آپ نے قرۃ عینین رسول، جگر پارۂ بتول، شہزادگان خلد، حضرات حسنین کریمین علیہما السلام کی بارگاہ ناز میں بھی نذر عقیدت پیش کی ہے، ان مناقب میں زبان و بیان کی روانی، اسلوب کی شائستگی اور فکر و فن کی پختگی کا انسلاک ہر جگہ یکساں قائم ہے، نیز قرآن و حدیث، سیرت رسول ﷺ اور سیر اہل بیت کے وسیع مطالعہ نے ان عقیدت سے مملو شعر پاروں کو تابندہ تر اور معتبر کر دیا ہے۔

اے حسن، سبط نبی رتبہ ہے اعلیٰ تیرا
سید کل ہے بہت چاہنے والا تیرا

ان کے کاندھے پہ یوں کھلتی ہے شباہت تیری
پیارے نانا کی پھبن دیتا ہے چہرا تیرا

چاشنی ہے شہ کوثر کی دہن میں تیرے
داد لیتا ہے ثنا خوانوں سے لہجہ تیرا

سوار شانۂ اقدس، قرار فاطمہ زہرا
چراغ دین و ایماں ہیں فروغ انما والے

رقیم و کہف والوں کا نہیں ہے واقعہ ایسا
تمہیں حیرت سے تکتے ہیں سبھی ارض و سما والے

دیا ہے سر، نہ دیا ہاتھ تو نے اے شبیر
یہ شان تیری لعین اب بھی ہاتھ ملتے ہیں

مندرجہ بالا اشعار میں "انما"، "رقیم"، "کہف" اور "کوثر" وغیرہ قرآنی تلمیحات ہیں جو مختلف آیات کی جانب اشارہ کرتی ہیں اور شباہت مصطفیٰ، سوار شانۂ اقدس وغیرہ جیسی تراکیب مضامین احادیث کی تابناکی بکھیر رہی ہیں جن سے ممدوح گرامی کی علمی لیاقت واضح ہوتی ہے۔

آپ نے پنجتن پاک علیہم السلام کے علاوہ خانوادۂ رسول کے دیگر افراد کی شان میں بھی گل ہائے مناقب پیش کیے ہیں۔

سبق بچپن میں سارا یاد کر ڈالا تھا اصغر نے
نہ جانے کس گھڑی اسلام کو درکار ہو جائے

برق کی گونج تھی یا لہجۂ زینب کی دھمک
قصر باطل بندھے اجسام سے چونک اٹھتا ہے

علم عباس کا بھی ہے علم اسلام کا بھی ہے
اٹھا لے ہاتھ میں ایماں ترا بیدار ہو جائے

آپ نے حضرت غوث پاک سیدنا عبد القادر جیلانی، سلطان الہند خواجہ غریب نواز، تاجدار آگرہ حضرت امیر ابو العلا رضی اللہ عنہم اور دیگر اولیائے کرام کی شان میں بھی کئی مناقب کہی ہیں چند اشعار دیکھیے:

رحمت حق کیا کرتی ہے مرے سر کا طواف
غوث اعظم ترے قدموں کا اثر اچھا ہے

تری ہستی شہ جیلاں پناہ انس و جاں بھی ہے
چراغ بزم عرفاں، رونق ہر دو جہاں بھی ہے

قدم تیرا ہے بے شک ہر ولی حق کی گردن پر
تو رمز عالم لاہوت، رشک قدسیاں بھی ہے

فلک کے چاند ستاروں کی کچھ بساط نہیں
کہ مہر و ماہ سے ہو ماسوا غریب نواز

ہے تم میں نور حسن اور حسین کی خوشبو
کہ جس سے ہند معطر ہوا غریب نواز

رہا کرتا ہے دل پیچاں معین الدیں حسن چشتی
بڑھا دیجے ذرا داماں معین الدیں حسن چشتی

دو جہاں کی سرفرازی اب ہے ٹھوکر میں مری
آ گیا حصے میں میرے فیض عام بوالعلا

ہر گھڑی رہتا ہے میری روح کو کیف و سرور
ہو گیا ہوں میں بھی اب سرمست جام بوالعلا

گواہ عالم لاہوت ڈورے جن کی آنکھوں کے
عجب پر کیف وہ مکھڑا شہنشاہ لیاقت کا

یہاں بھی حکمرانی ہے، وہاں بھی پاسبانی ہے
دوعالم میں بجا ڈنکا شہنشاہ لیاقت کا

ایک ارادت مند وعقیدت کیش کے لیے اس کے شیخ کی ذات ایک ایسا مرکز محبت ہوتی ہے جس کے گرد اس کے ظاہر و باطن کی ساری کائنات گردش کرتی ہے، مرشد ہی معرفت، ایصال اور تقرب کا واسطہ و وسیلہ اور امیر کاروان شوق ہوتا ہے، اولیائے کرام و مشائخ عظام کی شان میں مناقب نظم کرنا صاحبان ذوق مریدین کا طریق رہا ہے۔ آئین ارادت کا مقتضیٰ ہی یہی ہے کہ اس ذات کے خصائل و فضائل کا اظہار اور مدح سرائی کی جائے جو تاریکیوں سے نور اور جہل سے آگہی اور شعور کی

جانب مراجعت کا باعث بنی اور جس کے فیض نظر نے عرفان ذات کی راہ دکھائی۔ ممدوح گرامی نے بھی دیگر نامور صوفیا و اولیا کے علاوہ بالخصوص اپنے والد و مرشد گرامی قطب الاقطاب حضرت صوفی سید نواب علی شاہ رضی اللہ عنہ کی شان میں بہ کثرت گہرہائے مناقب نچھاور کیے ہیں جن سے آپ کی اپنے شیخ طریقت سے والہانہ محبت، فنائیت، اطاعت گزاری اور وفاداری ظاہر ہوتی ہے۔

زبان شوق پر جاری ہے ہر دم یا مرے مرشد
دلوں پر کیف سا طاری ہے پیہم یا مرے مرشد

تمہیں آواز دیتا ہوں مدد کو آ ہی جاتے ہو
تمہارا نام ہی ہے اسم اعظم یا مرے مرشد

ولی ہو ایک ولی گر مرے شہ نواب
کمالِ حق ہے وہ جو کچھ دکھا گئے ہو تم

**تضمین:**

مشہور قاموس "المنجد" میں تضمین کے اصطلاحی معنی اس طرح بیان ہوئے ہیں:

"التضمين هو ان ياخذ الشاعر شطراً من شعر غيره بلفظه و معناه"

"تضمین یہ ہے کہ شاعر اپنے لفظ اور اپنے معانی کے ساتھ کسی دوسرے شاعر (کے کلام) سے کوئی حصہ لے"۔

دراصل ہر شاعر کے شعری فن پاروں کی اپنی وسیع کائنات اور مخصوص فضا ہوتی ہے جو شاعر کے داخلی و خارجی رجحان و میلان، زاویہ فکر، انداز نگارش اور طرز ادا

کی مظہر ہوتی ہے، خلاقانہ مہارت رکھنے والے شعرا صرف شعر گوئی پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ بسا اوقات کسی دوسرے شاعر کا روح کے تار چھیڑ دینے والا کلام ان کے شعری تشویق کو ایسا مہمیز کر دیتا ہے کہ ان کا غزال تخییل اُس شاعر کی جولان گاہ شعری میں رم کرتا ہوا نئی معنوی جہات، فکری امکانات اور لفظی نکات تلاش کرتا ہے جو کلام شاعر کی توسیع و توضیح کرتے ہیں اس عمل کو تضمین سے موسوم کیا جاتا ہے، تضمین کا یہ عمل بسا اوقات یک مصرعی گرہ اور کبھی مربع، مخمس یا مسدس کی شکل میں کیا جاتا ہے، درحقیقت تضمین نگاری شعر گوئی سے بھی ادق صنعت ہے ہر شاعر اس کو کما حقہ نبھانے کا اہل بھی نہیں ہوتا، کیوں کہ تضمین نگار کو صاحب کلام کی شخصی، فکری اور فنی سطح کو چھو کر تجدیدی پہلو پیدا کرنے ہوتے ہیں، یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ تضمین کا سبب ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ کلام مضمن معنوی اعتبار سے مکمل نہ تھا اور تضمین کار نے اس کی تکمیل کر دی بلکہ مکمل شعر کی رمزیت سے مستفید ہوتے ہوئے خیال کے نئے افکار چپاں کرنا تضمین ہے اور اگر یہ نئے زاویہ ہائے فکر تضمین کردہ کلام کا حصہ معلوم ہوں اور بعض اوقات ان کے بغیر شعر نامکمل لگے تو یہ کامیاب تضمین کی نشانی ہے، فی الاصل یہ ایک ایسی صناعی و کاری گری ہے جو حد درجہ مہارت و براعت نیز پیہم مشق و ممارست کی متقاضی ہے، اور کسی شاعر کی وسیع النظری، کثرت مطالعہ اور شعری بصیرت کا ثبوت ہے۔

تضمین کاری روایت سے رشتہ جوڑنے اور اساتذ شعرا کو خراج عقیدت پیش کرنے کا بھی بہترین طریقہ ہے، اس فن کی روایت خاصی پرانی ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ فن قدیم اصناف سخن میں سے ہے اور ہمیشہ سے اس کی اہمیت مسلم رہی ہے، یہ

فن فارسی ادب سے اردو ادب میں منتقل ہوا، معدودے چند کے علاوہ اکثر ناقدین تضمین کاری کے حق میں مثبت رائے رکھتے ہیں، افادہ کے لیے چند آرا حسب ذیل ہیں۔

رفعت سروش نے لکھا۔

"تضمین ایک مشکل فن ہے۔۔۔۔ تضمین کار کا صاحب فکر و فن اور کہنہ مشق ہونا ضروری ہے"۔

ڈاکٹر جاوید وششٹ کی رائے ہیں۔

"تضمین محض کار مرصع ساز ہی نہیں اس سے کہیں باریک کام ہے"۔

حامد حسن قادری لکھتے ہیں۔

"تضمین کا رواج قدیم ہے لیکن کثرت و عمومیت کو کچھ زیادہ دن نہیں ہوئے۔۔۔۔ غزلیات میں محمد جان قدسی کی غزل "مرحبا سید مکی مدنی العربی" پر اردو میں جتنے خمسے لکھے گئے وہ شمار و حساب سے باہر ہیں"۔

مندرجہ بالا بیانات سے فن تضمین نگاری کی اہمیت عیاں ہے، ممدوح گرامی (دام ظلہ) نے بزرگان دین کے معروف کلاموں پر کامیاب تضامین لکھی ہیں، بزرگان دین کے کلام منتخب کرنے کا مقصد خراج عقیدت کے ساتھ ساتھ ان کے روحانی مقامات سے استفاضہ بھی ہے مثلاً آپ نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے معروف کلام "من نمی گویم انا الحق یار می گوید بگو" پر اردو میں تضمین کی ہے، ایک بند ملاحظہ ہو:

"وھو معکم" سے عیاں ہے زیست میں خود دیکھ لو
خود سما کر جب وہ بولے کس لیے پھر کفر ہو
ناز فرمائے زبان حق جو تو با ذوق ہو
"من نمی گویم انا الحق یار می گوید بگو
چوں نہ گویم چوں مرا دلدار می گوید بگو"

اسی کلام کے مقطع کی فارسی تضمین آپ کی زبان دانی وقادرالکلامی کی دلیل ہے۔

در سرشت سر حق و نور می پوید معیں
مرجع عشاق در تو عشق می جوشد معیں
ایں عزیز ہیچ رس اک راز می جوید معیں
"اے صبا گر پرسدت کز ما چہ می گوید معیں
ایں دوئی را از میاں بردار می گوید بگو"

حضرت خواجہ عثمان مروندی علیہ الرحمۃ کے اس کلام "نمی دانم کہ آخر چوں دم دیدار می رقصم" پر کثیر شعرا نے تضامین کی ہیں مگر کامیاب تضامین کا سہرہ چند ایک کے سر ہی جاتا ہے، چوں کہ یہ کلام خالص صوفیانہ و عارفانہ اصطلاحات، معنیات اور تعبیرات پر مشتمل ہے لہٰذا اس کلام کی وجدانی فضا میں پرواز کے لیے شہپر تصوف ہی درکار ہے تاکہ تضمین کے اولین اصول یعنی فکری و متنی مطابقت و ہم آہنگی پر پورا اترا جاسکے، آپ نے اس کلام کی ایسی عمدہ تضمین کی ہے کہ ذوق لطیف سرمست و سرشار ہو جاتا ہے، مطلع میں "می رقصم" کے اسباب و علل کو عقیدۂ وحدت الوجود کی لڑی میں کس حسن وخوبی سے پرویا ہے ملاحظہ کیجیے۔

بتایا مرشد کامل نے مجھ کو راز یہ جس دم
لباس یار میں مولا ہے دیکھو تو مرے ہم دم
اسے میں دیکھتا ہوں اپنی ہی ہستی میں اب ہر دم
"نمی دانم کہ آخر چوں دم دیدار می رقصم
مگر نازم بایں ذوقے کہ پیش یار می رقصم"

ہر نغمہ و ساز عشاق کو ازل کے اسی زمزمۂ لاہوتی کی یاد دلاتا ہے جو الست بربکم کی لے پر چھیڑا گیا، روح انسانی ہر دم اسی نغمۂ الست کو سننے اور مست و بے خود ہونے کو بے تاب ہے، اسی مقصد کے لیے وہ اہل صفا کی محافل ڈھونڈتی ہے تاکہ اس کی تشنگی سیرابی میں بدل سکے۔

ازل کے نغمۂ شیریں سے گونجی پیار کی سرگم
بجا کرتا ہے ساز دل پہ کوئی راگ سا پیہم
سنا دے پھر سنا دے بزم ہے عشاق کی جانم
"تو ہر دم می سرائی نغمہ و ہر بار می رقصم
بہ ہر طرزے کہ می رقصانیم اے یار می رقصم"

مذکورہ تضمین کا ایک ایک بند مضمون آفرینی و نکتہ وری کی عمدہ مثال ہے، تضمین کے مصارع کا کلام مضمن سے ارتباط قابل دید ہے، مسائل تصوف کی صراحت نے کلام مضمن کی تشریح و تعبیر کا فریضہ بہ احسن نبھایا ہے۔

فن تضمین کاری کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ تضمین سے اصلی مصرع کا مفہوم یکسر بدل جائے، ایسی تضمین سے معانی کے نئے گوشے سامنے آ کر شاعر کے کمال فن کی داد دیتے ہیں، ممدوح گرامی کے کلام سے ایسی ہی ایک تضمین کی مثال حسب ذیل ہے۔

وہ حسین شاہ شہید ہاں!
بلغ العلیٰ بکمالہ

جو اٹھایا پرچم حق بیاں
کشف الدجیٰ بجمالہ

وہ حسین اکبر نوجواں
حسنت جمیع خصالہ

فدا حلق اصغر بے زباں
صلوا علیہ و آلہ

**نسبتی غزل:**

غزل شعر گوئی کی وہ صورت ہے جو واردات عشق و محبت اور احوال قلب کے بیان کا سب سے بہترین ذریعہ ہے۔ غزل گو، صاحب دل بھی ہو تو اپنے خون جگر سے صفحہ قرطاس کو سرخ رو کر دیتا ہے اور اگر اس کا عشق، حقیقی اور ازلی ہو تو شعر شعر نہیں رہتے بلکہ نغمہ لاہوتی اور صوت سرمدی میں ڈھل جاتے ہیں کیوں کہ حقیقت ہی ہر اصل کی اصل ہے جب کہ مجاز ایک واہمے، نقش ہوا اور سراب سے زیادہ کچھ نہیں، اگرچہ مجاز کو حقیقت کی سیڑھی گردانا گیا ہے یہ بات حق سہی لیکن جو لوگ مجاز کی حقیقت کو نہ سمجھ پائے وہ عین حقیقت کو کیا سمجھیں گے دوسرا یہ کہ محبوب مجازی کے لیے فنا مقدر جب کہ محبوب حقیقی بہ ہر حال قائم و باقی رہے گا، لہٰذا غزل اپنے جادۂ عام اور رائج ڈگر سے منحرف ہو کر جس وقت راہ حقیقت پر گامزن ہو جائے تو اسے نسبتی غزل کہتے

ہیں، جو اپنی اثر انگیزی میں قصۂ لب و رخسار سے بہت آگے ہے، کیوں کہ خیالِ شاعر کے کوچۂ نسبت میں پہنچتے ہی اس کا کارشوق پختہ تر اور رخشندہ تر ہو جاتا ہے چوں کہ مرشد کامل کے عشق میں فنائیت ہی وصال ذات حق کی پہلی منزل ہے لہٰذا اکثر و بیشتر نسبتی غزل میں روئے سخن شیخ طریقت کی جانب رہتا ہے، تسلیم و رضا، فنائیت، بقا، دیدار محبوب کی آس، ہجر در وصال اور وصال در ہجر کی کیفیات اور سوز و ساز عشق وغیرہ نسبتی غزل کے اہم ترین موضوعات ہیں۔

یہی تمام مضامین ہمیں شاعر ممدوح مدظلہ کی شاعری میں ملتے ہیں، آپ کی طبع خلاق کے ساحت غزل میں ورود نے نواح سخن کو ایک منفرد آہنگ سے آشنا کیا ہے، آپ کی نسبتی غزل آپ کے جمالیاتی شعور کا جوہر اور خلاصہ ہے آپ کی غزل نقش و نگار گماں اور عکس رخ دیگراں کی تصویر نہیں بلکہ جلوۂ حسن ازل اور نگار خانۂ الفت کی صورت گری کا نام ہے، آپ نے مسائل تصوف کو ایسی سلاست و جزالت سے بیان کیا ہے کہ کوئی پہلو تشنہ اور کوئی نکتہ الجھا ہوا نہیں، آپ کی غزل کا نمایاں وصف ہی ابلاغ ہے، آپ نے صوفیانہ غزل کو چیستان اور معما نہیں بننے دیا کہ شعر سمجھنے کو کسی شارح کی ضرورت پڑے بلکہ تمام نکاتِ دقیق و رقیق نہایت صراحت و وضاحت کے ساتھ نظم کیے ہیں، نسبت و عقیدت میں ڈوبی ہوئی ایک غزل کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے۔

زلفیں وہ سنوارے ہوئے آئے جو ادھر کو
اس حسن خداداد پہ حیرت ہے قمر کو

ہو جائے اگر خاک ترے در کی میسر
مڑ کر بھی نہ دیکھوں میں کبھی لعل و گہر کو

جب سے کہ ترا نام مرے ورد زباں ہے
خاطر میں نہیں لاتا کسی خوف و خطر کو

مندرجہ بالا تمام اشعار اگرچہ حسن و عشق سے متعلق ہیں مگر یہ حسن، حسن ازلی اور عشق، عشق حقیقی ہے۔ اسلوب، رمزیت، کیفیت اور شعر کی مجموعی فضا غزل کو ایک تقدس مآب آہنگ بخش رہی ہے

ایک غزل کا مطلع ملاحظہ کیجیے۔

تیری بزم شوق میں چھیڑا ہے کس نے ساز عشق
جان لینے کے لیے بے چین سا ہے ناز عشق

مذکورہ مطلع میں عشق و محبت کی وارفتگی و شیفتگی کا انداز ملاحظہ کیجیے، پہلے مصرع میں استفہام برائے استفہام نہیں ہے بلکہ محض توجہ مبذول کرانے کے لیے ہے گویا شاعر محترم بھی خوب باخبر ہیں اور مخاطبین بھی اس سے بہ خوبی آگاہ ہیں کہ ساز عشق چھیڑنے والی ہستی کون سی ہے، قلب عاشق ہی فی الاصل بزم شوق ہے اور ساز عشق وہی نغمۂ ازلی و اصلی ہے جس کی جستجو میں عشاق کے قلوب و ارواح متمنی و مشتاق رہتے ہیں، اور اس ساز کو چھیڑ کر قلوب و ارواح میں شعلۂ عشق بھڑکانے والی ذات شیخ کامل کی ذات ہے جس نے بھولا ہوا سبق یاد دلا کر احسان عظیم کیا ہے، دوسرا مصرع عشق و وارفتگی کی راہ کا اگلا پڑاؤ ہے جہاں نذر جاں پیش کرنا ہی عین حیات ہے گویا فنا ہی میں بقا مضمر ہے اس مقام پر ناز عشق جان لینے کو تیار ہے اور عاشق جان سے گزر جانے کو بے تاب ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ "دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی"

محبت اور اس کے مختلف مراتب کی صورت گری آپ کی غزل کا اہم موضوع ہے، دیکھا جائے تو جذبۂ محبت ہی بنائے تصوف کی خشت اول ہے جو دل کشتۂ الفت

نہ ہو وہ راہ سلوک کا اہل کہاں، جس کے جسم و جاں سوز عشق میں نہ گھلیں وہ سزاوار معرفت کہاں، اہل تصوف کے ہاں محبت کے کئی مدارج ہیں۔

- معشوق کا ذکر بہ کثرت کرنا
- محبت میں طلب کی راہ پہ چل پڑنا
- ہر دم خیالِ محبوب میں محو رہنا
- تسلیم و رضا
- فنا فی الذات

آپ کے کلام میں جا بہ جا اس نعمت ازلی کا ذکر ملتا ہے جو محبت کی صورت میں عشاق کے قلوب کو ودیعت کی گئی ہے، آپ نے محبت کی مختلف صورتوں کی نوع بہ نوع کچھ یوں تصویر کشی کی ہے۔

آ گئی دنیائے ہستی میں پھر اک تازہ بہار
دل میں جب ان کی محبت کے اثر دیکھے گئے

یہ دل جب دشمن جاں ہو تو پھر کیسے قرار آئے
تری صورت جب ایسی ہو تو پھر کس کو نہ پیار آئے

ہم تو ہیں مست شراب نگہ عرفاں سے
ہوش والوں نے ابھی جام اٹھا رکھا ہے

دیکھ کر اپنا چلن اغیار بھی کہنے لگے
دیکھیے شمع محبت کے وہ پروانے گئے

کاش وہ رکھ دیں قدم اس قلب کی دہلیز پر
مجرئی ہو یہ رگ جاں ان کو مہماں دیکھ کر

دلِ تکیہ نشیں دوری میں بھی حاضری وحضوری کی لذت سے روشناس ہوتا ہے، غلبہ عشق جب سالک کی نظر کو "فبصرک الیوم حدید" کا فیض مرحمت کرتا ہے تو اسے ہر شے میں حسن محبوب جلوہ بار دکھائی دیتا ہے، سپہر نیلگوں ہو یا رطب و یابس ارض اسے ہر تصویر میں مصور اور ہر تخلیق میں ذات خالق کے سوا کچھ نظر نہیں آتا گویا ماسوا اللہ کی نفی اور ذات باری کا اثبات زبانی اقرار اور قلبی تصدیق سے بڑھ کر مشاہدہ، واردات اور حق الیقین کے درجے پر آجاتا ہے کائناتِ شہود میں وحدت الوجود کی یہ جلوہ نمائی جب حرف ونوا اور فکر ونظر کو تحریک دیتی ہے تو جلوہ ہائے ذات عکس در عکس سطح قرطاس پر منعکس ہوتے ہیں، یوں تو وحدۃ الوجود کا نظریہ ہر عہد کی شاعری میں کسی نہ کسی رنگ میں موجود رہا ہے لیکن اسے نبھانا اور اس کی تعبیر وتبیین میں اعتدال پر گامزن رہنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے آپ کے کلام عرفاں طراز سے چند امثلہ پیش خدمت ہیں۔

ہر گل و گلشن سے یہ آواز آئی ہر طرف
ہے مرے جاناں تری جلوہ نمائی ہر طرف

جسم میں روح میں تم، سانس کے ہر تار میں تم
میری خاموشی میں تم ہو، مری گفتار میں تم

زمانہ آنے لگا ہے مری زیارت کو
کہ میری ذات میں ایسے سما گئے ہو تم

نسبت و ارادت کا اجالا قلب کے نہاں خانے کو ایسا نور بار کرتا ہے کہ ظلمتیں اس سے کوسوں دور بھاگتی ہیں، شیخ کامل ہو تو سالک فکر دنیا اور خوف معاد سے مستغنی و آزاد ہو جاتا ہے اور ایسی نسبت پہ فخر و مباہات بجا ہے، آپ کے اکثر اشعار غزل نسبت روحانی پر مبنی بر فخر ہیں چند امثلہ پیش اہل ذوق ہیں۔

ہو گئے ہیں دور میرے رنج و غم آلام سب
مل گئی تیرے کرم سے مجھ کو یہ نسبت تری

کوششیں لوگوں کی، رسوائے زمانہ کر دیں
ان کی نسبت ہی مرے عیب چھپا جاتی ہے

اور اس نسبتِ محبت پر نہ صرف خود نازاں و فرحاں ہیں بلکہ اپنے محبوب کے لیے خلائق عالم کی شیفتگی و دل بستگی اور اشتیاق کا ذکر کچھ یوں کرتے ہیں۔

کیا خبر آج وہ شاید اسی رہ سے گزریں
دل ہتھیلی پہ لیے خلق خدا آتی ہے

**تخلص** کا لغوی معنی ہے خلاصی، نجات، جوہر وغیرہ جب کہ اصطلاح شعر و ادب میں وہ مختصر نام تخلص کہلاتا ہے جسے شعرا بجائے اسما کے استعمال کرتے ہیں، تخلص زیادہ تر مقطع میں استعمال کیا جاتا ہے، بہت سے شعرا ایسے ہیں جنہوں نے کمال ہنر وری سے اپنے تخلص کے معنوی امکانات سے مستفید ہوتے ہوئے ایسے اشعار کہے ہیں جو اردو ادب میں وقیع اضافے ہیں، ممدوح گرامی نے بھی اپنے تخلص

"عزیز" کو نہایت فن کارانہ انداز میں برتا ہے مندرجہ ذیل اشعار میں تخلص کی معنیٰ آفرینی دیکھیے۔

نہیں شہید محبت کو اور کوئی عزیز
دل و دماغ پہ قبضہ جما گئے ہو تم

تم ہو وہاں مقیم تو سب کچھ عزیز ہے
ورنہ کسے قبول سکونت شمال کی

مندرجہ بالا سطور میں ناچیز نے طالب علمانہ انداز میں حضور صاحب سجادہ مدظلہ کے کلام بلاغت نظام کا جائزہ لینے کی اپنی سی کاوش کی ہے حقیقت تو یہ ہے کہ عرفا کا کلام اور اس کے رموز فہم ناقص سے بالاتر ہیں۔

# سید محمد نورالحسن نور نوابی عزیزی

سید الشعرا سید محمد نورالحسن نوابی عزیزی المتخلص بہ "نور" بانیِ خانقاہ نوابیہ حضرت صوفی سید نواب علی شاہ حسنی عزیزی رضی اللہ عنہ کے منجھلے صاحبزادے ہیں، آپ ۲۴ جون ۱۹۸۲ء بہ مطابق یکم رمضان المبارک ۱۴۰۳ ہجری ضلع فتح پور کے ایک گاؤں قاضی پور شریف میں پیدا ہوئے۔ آپ نے علم و ادب کے گہوارے اور شعر و سخن کی فضا میں پرورش پائی تو گھر میں سادگی و فروتنی بصیرت افروز تھی، والد کی صورت میں شب زندہ دار عابد و زاہد اور والدہ کی صورت میں شرم و حیا اور صبر و استقامت کی تصویر پیش نگاہ تھی، ذکر و اذکار، تلاوت کلام کردگار اور نعت و مناقب وغیرہ ہی آپ کے کانوں میں پڑنے والی پہلی آوازیں تھیں، فہم و دانش اور توارث آبا کے امین ماحول نے آپ کے فطری جوہر کو مزید روشن و تابناک کر دیا، گھر سے ابتدائی دینی تعلیم پانے کے بعد عصری تعلیمی سفر کا آغاز ہوا تو ہر ہر پڑاؤ پر نقوش کامرانی ثبت کرتے گئے حتیٰ کہ فاضل اردو و فارسی کے امتحان میں شان دار درجے میں کامیابی حاصل کی۔ ۱۹۹۸ سے شاعری کا آغاز کیا تعلیمی مراحل کے دوران آپ کی شاعری بھی منازل ارتقا طے کرتی رہی اور آپ کا شجر شعر گوئی نئے برگ و بار لاتا رہا، جدید رنگ و آہنگ اور عصری اسالیب نے اس کی شادابی کو فزوں تر کیا اور یوں مختلف اصنافی و ہیئتی تجربات آپ کی زنبیل سخن میں جمع ہوتے رہے، معاش کے سلسلے میں ممبئی شہر میں سکونت اختیار کی مگر ممبئی جیسا تیز رفتار شہر آپ کے توازن کو نہ ڈگمگا سکا اور آپ نے

حصول معاش کے ساتھ ساتھ کنج خلوت میں بدستور شعر و ادب کی خدمت کا سلسلہ جاری رکھا، چوں کہ تصنع، شہرت پسندی اور ریا نام کو نہیں تھی لہٰذا باوجود اصرار احبا کے اشاعت وطباعت کی جانب میلان نہ تھا آخر کار اشاعت پہ رضامندی ہوئی تو اس شرط پر کہ پہلے مجموعہ ہائے حمد و نعت و مناقب منظر عام پر آئیں، لہٰذا اشاعت کلام کے سلسلہ کا آغاز مجموعۂ سلام "وسلموا تسلیما" سے ہوا، طبع زاد زمینوں کے علاوہ اساتذہ شعرا کی زمینوں میں بھی مجموعہ ہائے حمد و نعت و مناقب منظر عام پر آئے، پھر روئے سخن اشاعت غزل کی جانب ہوا اور اب تک حمد و نعت اور مناقب کے تیرہ مجموعے اور غزلیات کے چھ (٦) مجموعے شائع ہو چکے ہیں جن کی فہرست ذیل میں درج کی جا رہی ہے۔

- وسلموا تسلیما (مجموعۂ سلام)
- قلزم نور (مجموعۂ نعت و مناقب)
- مطلع نور (مجموعۂ نعت و مناقب)
- جوئے ثنا (مجموعۂ نعت)
- دریچۂ نور (مجموعۂ نعت)
- ایاک نعبد وایاک نستعین (حمد و مناجات)
- سورج نکلا ہے (حمدیہ و نعتیہ ہائیکو)
- ثنا کی نکہتیں (مجموعۂ نعت برزمین غالب)
- نعتوں کے دیے (نعوت برزمین میر تقی میر)
- مدحت کی کہکشاں (نعوت برزمین خواجہ میر درد)
- اثاثہ (مجموعہ ہائے نعوت)

- خلد عقیدت (مجموعۂ مناقب)
- سبیل مودت (مجموعۂ مناقب)
- شاخ نوا (غزلیات)
- برگ سحر (غزلیات)
- ساحل توجہ پر (غزلیات)
- تحرک (غزلیات)
- تفرید (غزلیات)
- رباعیات نور (مجموعۂ رباعیات)
- سخن زار (غزلیات)

ہندوستان کے ساتھ ساتھ پاکستان سے بھی آپ کے کئی مجموعہ ہائے کلام اشاعت پذیر ہوئے جن کے نام یہ ہیں۔

- آبشار نور (مجموعۂ نعت)
- گلاب اسم نبی کی خوشبو (مجموعۂ نعت)
- سورج نکلا ہے (حمدیہ ونعتیہ ہائیکو)
- ایاک نعبد وایاک نستعین (حمد ومناجات)
- ثنا کی نکہتیں (مجموعۂ نعت برزمین غالب)
- نعتوں کے دیے (نعوت برزمین میر تقی میر)
- شاخ نوا (غزلیات)
- برگ سحر (غزلیات)

بہ حیثیت مجموعی حضرت نور کی جمیع شعری اصناف و ہیئات رعنائی فکر، تازہ کاری اور جدت طرازی کی عمدہ امثلہ ہیں زبان کی درستگی اور شائستگی کے ساتھ اسلوب کی پختگی آپ کے کلام سے عیاں ہے، اشعار کی بست و بنت، لہجے کی تمکنت، تراکیب کی ساخت، مصارع کا باہمی ربط اور ردیفوں کا اتصال متاثر کن ہے، نیرنگی موضوعات کا وصف آپ کی تقدیسی و بہاریہ دونوں قسم کی شاعری میں یکساں نظر آتا ہے، آپ کی منظومات زندگی، تازگی، روشنی اور یقین سے عبارت ہیں، ان میں مذہبی، تہذیبی اور روایتی بنیادوں سے وابستگی بھی موجود ہے اور نئے آفاق کی جستجو، تلاش اور ان کی جانب سفر بھی، آپ کی منفرد طرز سخن اور خوش سلیقگی نے مروجہ الفاظ و تراکیب کو نمود نو بخشی، افکار کی رفعت اور معانی کی وسعت ہر مقام پر باہم مربوط ہے اس ربط کی بہ دولت اشعار کی دلکشی میں اضافہ ہوا ہے، یہ اوصاف کلام کے کسی ایک شعر یا چند اشعار میں نہیں پائے جاتے بلکہ ہر شعر میں بہ تمام و کمال موجود ہیں۔

شاعری کا دل اور دماغ دونوں سے یکساں تعلق ہوتا ہے محض فکر کی کارکردگی وزن پہ خواہ پوری اترے مگر روح کی گہرائی میں نہیں اتر سکتی، حضرت نور کی شاعری کی تاثیر اور وجد آفرینی کا سبب بھی یہی ہے کہ آپ نے تخیل کے ساتھ قلبی جذبات و احساسات کو بھی اس چابک دستی اور ہنرمندی سے نظم کیا ہے کہ آپ کا ہر لفظ انسانی حیات کی تعبیر و تشکیل کرتا دکھائی دیتا ہے۔

آپ شاعری کے متعلق تسریع و تعجیل کے رویے کے حامی نہیں بلکہ تفکر و تدبر اور دیدہ ریزی کو سرمایۂ فکر و فن خیال کرتے ہیں، اپنے چوتھے مجموعۂ غزلیات ''تحرک'' میں رقم طراز ہیں۔

"میں لازماً یہ بتادوں کہ تقدیسی شاعری ہو یا غزل، میں نے کبھی بھی شاعری کے نام پر کوئی کچا پکا مال کاغذ پر نہیں انڈیلا بلکہ حسب توفیق تفکر و تدبر کے بعد اسے سپرد قرطاس کیا ہے"۔

(تحرک ص 11)

حضرت نور کی شاعری کی پرشکوہ عمارت اصالتِ فنی، رفعت فکری، نفاست لفظی اور اصابت معنوی کے اساطین پر قائم ہے، یہ وہ عمائد ہیں جنہوں نے نہ صرف آپ کے فن شاعری کی بنیادوں کو استواری اور پختگی سے ہم کنار کیا ہے بلکہ آپ کو اساتذۂ سخن کی صف میں بھی لا کھڑا کیا ہے۔

**حمد و مناجات نگاری**

**حمد** رب کریم کی توصیف و ثنا ہے اور مناجات اسی کی بارگاہ میں استدعا و التجا کا نام ہے، گویا حمد و مناجات مخلوق کی جانب سے اظہار بندگی کے واسطے اور دفع آفات کے وسیلے ہیں۔

بہ قول مولانا روم

دفع بلائے تن و آزار خلق
جز بہ مناجات و ثنائے تو نیست

جسمانی عوارض اور مخلوق کے آزار کا حل تیری حمد و ثنا اور مناجات کے سوا نہیں ہے۔

حضرت نور کی شعری اصناف میں حمد و مناجات سرفہرست ہیں، "ایاک نعبد وایاک نستعین" آپ کا وہ مجموعہ کلام ہے جس کا نصف حصہ حمد باری تعالیٰ اور نصف حصہ مناجات پر مشتمل ہے، علاوہ ازیں آپ کے نعوت و مناقب اور غزلیات پر مشتمل تمام مجموعہ ہائے کلام کا آغاز حمدیہ اور مناجاتیہ کلام سے ہوتا ہے، آپ نے متعدد حمدیہ و

مناجاتیہ ہائیکو بھی کہی ہیں جس سے آپ کے نزدیک ان اصناف کی اولیت و اہمیت عیاں ہوتی ہے۔

حضرت نور کی حمد گوئی منعم حقیقی کی مدح و ستائش اور تشکر و امتنان سے عبارت ہے۔ آپ کے حمدیہ کلام، اللہ کی عظمتِ ذات، شوکت صفات، اسماء و افعال اور ملک لایزال کے اذکار سے مزین ہیں، آپ کے حمدیہ اثاثے پر نظر دوڑاتے ہی سطح تخیل پر کبھی "وللہ ما فی السموات و ما فی الارض" کی آیت مرتسم ہوتی ہے اور کبھی "و یسبح لہ ما فی السموت و ما فی الارض" کا نقشہ ابھر آتا ہے اور یوں احساس ہوتا ہے جیسے آبشار و کہسار، دشت و چمن زار، بحر و بر، شمس و قمر الغرض جمیع موجودات عالم شاعر کے ہم زبان تحمید و تقدیس الٰہی میں مشغول ہیں، آپ کی محامد کا حرف حرف خدائے قدوس کی قدرت کاملہ اور عنایات واسعہ کا کیف آگیں اظہار ہے، آپ کی ان تخلیقات میں کہیں اللہ رب العزت کی صفت ربوبیت و خلاقیت جلوہ افروز ہے، کہیں اس کے رحم و کرم اور عفو و بخشش کے تذکار ہیں، کہیں عظمت و شوکت اور قدرت کاملہ کے روح پرور نظارے ہیں، علاوہ ازیں حضرت نور کے حمدیہ سرمائے میں اللہ کے اسم ذات کے ساتھ اس کے صفاتی اسمائے مبارکہ بھی جا بہ جا رونق افزائی کا باعث ہیں جیسے کریم، رحیم، رؤف، غفار، ستار، جبار، مختار، عظیم، قادر، عالم الغیب، حلیم، مغنی، متین، خالق، رب العلیٰ، احد، صمد، غفور وغیرہ۔ ایک حمد کی ردیف ہے "نام ترا" جس میں آپ نے اللہ تعالیٰ کے اسمائے مطہرہ کی برکات کا ذکر کیا ہے، بہ نظر غائر مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے حمدیہ کلاموں میں اللہ کی صفت ربوبیت کا ذکر دیگر تمام صفات سے زیادہ ہے، قرآنی دستور بھی یہی ہے کہ اللہ نے اپنی اس صفت کا ذکر تمام دیگر صفات سے مقدم و متفوق رکھا ہے اور اسی کو اپنے استحقاق حمد

کی دلیل بھی قرار دیا ہے۔ کیوں کہ اہل کائنات ہر لحظہ پرورش و پرداخت اور ارتقا کے لیے اللہ کی اس ربوبیت ہی کے محتاج ہیں، حضرت نور نے بھی مختلف انداز میں جابہ جا اللہ کی اس صفت خاصہ کا ذکر کیا ہے "رب عظیم" کی ردیف میں انیس (19) اشعار پر مشتمل حمد پاک اور "رب العلیٰ رب العلیٰ" کی ردیف میں گیارہ (11) اشعار کائنات میں خدائے واحد کی صفت ربانیت کے مختلف مظاہر کی جانب مشار ہیں۔

حضرت نور کے ہاں حمد نگاری وسیع امکانات اور لامحدود موضوعات کی شاعری ہے، موضوعات کے تنوع اور مناظر کی رنگا رنگی کے علاوہ محاکات نگاری، تمثیل کاری، تشبیہات و استعارات، صنائع بدائع کی نفاست اور تکرار مضامین کا عدم وجود آپ کی ریاضت و مزاولت کا واضح ترین ثبوت ہے۔

حضرت نور کی حمدیہ شاعری سراسر مشاہداتی ہے، اگرچہ اللہ کی ذات براہ راست کسی انسان (الا ماشاء اللہ) کے احاطۂ شہود میں نہیں آسکتی البتہ اس کی خلائق کا مشاہدہ اور اس مشاہدے سے اخذ شدہ استدلال انکشافِ اسرار کائنات اور معرفتِ رب ذوالجلال کا وسیلہ بن جاتا ہے، حضرت نور نے صرف معلومات و مطالعہ پر ہی ایوان حمد کی بنیاد نہیں رکھی بلکہ غور و خوض اور مشاہدہ و مراقبہ کی راہ اپنائی ہے، آپ نے عالم کون و مکاں کو سرسری نظر سے دیکھنے کی بجائے اسے تفحص، تعمق اور تجسس کی نگاہ سے دیکھا ہے، آپ کے حمدیہ کلام کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مظاہر فطرت اور صفات الٰہی میں تفکر و تدبر اور کمال استغراق نے آپ پر عرفان ذات اور درک صفات کے کتنے ہی راز ہائے سربستہ افشا کیے ہیں جو وقتاً فوقتاً آپ کے اشعار میں عکس پذیر ہوتے رہتے ہیں، یہ قوی مشاہدات اور ان کی بہ صورت شعر ماہرانہ ترسیل سے قارئین بھی خود کو

ان لطیف کیفیات میں شریک محسوس کرتے ہیں، یہ کیفیات قلب و روح اور وجدان کو ایسی سرشاری بخشتی ہیں جس کا کوئی نعم البدل نہیں ہے۔

حضرت نور کی ان حمدیہ منظومات میں کہیں کہیں متصوفانہ مسائل بھی در آئے ہیں لیکن انداز بیاں دقیق نہیں ہونے پایا، آپ کے بیشتر اشعار نہایت شرح و بسط سے فلسفۂ وحدۃ الوجود کی تعبیر کرتے ہیں ان اشعار کی فضائے نورانی سے پے بہ پے "لاموجود الااللہ" کی صدائے دل کش سماعت نواز ہوتی ہے (یعنی جملہ ممکن الوجود مخلوق کی نفی اور ذات واجب الوجود کا اثبات) اس نعرۂ توحید کی بازگشت انسان کے باطن کی تہوں میں اتر کر اسے میثاق الست کی یاد دلاتی ہے، اور اسے رخسار غنچہ وگل، جبین برگ وثمر، موج آب رواں، بزم انجم وکہکشاں، ماہ تاب کے رتجگوں اور شبنمی آئینوں الغرض منظر منظر میں اسی حسن لازوال کا عکس دل پذیر دکھائی دیتا ہے۔

ذرہ ذرہ تیرا ظہور
چمکے قطرہ قطرہ تو

چوں کہ حمد اور مناجات باہم مربوط و متعلق اصناف ہیں، ماضی میں بھی اردو قصیدے اور مثنوی میں حمد کے بعد مناجاتیہ اشعار کو لازمے کی حیثیت حاصل تھی بلکہ بیشتر اردو مثنویاں ایسی بھی لکھی گئیں جو مکمل مناجاتیہ آہنگ میں تھیں، اور غزل کی ہیئت میں مناجاتیہ کلام لکھنے کا دستور بھی نیا نہیں ہے، حمد وثنا کے بعد دعا، مناجات اور طلب مقاصد عین قرآنی اسلوب ہے، یہی اظہار عبدیت ہے کہ اللہ کی کبریائی اور اپنی عاجزی کا یقین کرتے ہوئے دست بہ سوال ہونا، مدح، اظہار احوال اور پیش مدعا مناجات کے عناصر ہیں جب کہ عجز وانکسار اور الحاح والتماس اس فن کی روح ہے،

مناجات نگاری کے ذریعے شاعر اپنی تمنائیں اور خواہشیں اللہ کے حضور پیش کرتا ہے لہٰذا یہ صنف کسی سخن ور کی ترجیحات و میلانات جاننے کا بہترین ذریعہ ہے نیز دعا سائل کے ظرف کو بھی عیاں کرتی ہے کہ ہر سوالی اپنے ظرف اور عقل وفہم کے مطابق سوال کرتا ہے جبھی حسن سوال کو نصف علم کہا گیا ہے، حضرت نور نے رب کریم کے حضور مناجات پیش کرنے کی بہ تکثیر سعادت حاصل کی ہے آپ کی مناجات نگاری اس فن کے تمام تقاضوں کی بھرپور پاسبانی کرتی ہے، آپ کے مناجاتیہ کلام حسن سوال اور خوش طلبی کی اعلیٰ مثال ہیں کیوں کہ آپ آداب سوال سے خوب واقف ہیں ان مناجات میں آپ کا متضرع آہنگ اور سوز وگداز اثر خیزی کا باعث ہے آپ کے متواضع الفاظ، شائستہ تراکیب اور مؤدب لہجہ اس بات کی دلیل فراہم کرتے ہیں کہ آپ کو اس فن کے تقاضوں کا کس قدر پاس ولحاظ ہے۔

شاعر چوں کہ قوم کی زبان ہوتا ہے لہٰذا حضرت نور نے اپنی مناجات میں محض ذاتی و انفرادی تمنائیں ہی پیش نہیں کیں بلکہ اجتماعی وملی مسائل کے حل کی استدعا کی ہے، آپ کے دعائیہ اشعار انسان کی ازلی تنہائی، روحانی نا آسودگی، قلبی اضطراب، معاشی ناہمواری اور جذباتی انجماد کے نوحے ہیں، اہل اسلام کی اہرمن نژاد فراعنہ سے خلاصی، صالح رہنماؤں کی احتیاج، معاشرے کی شقاوت آمیز ناانصافیوں کی بیخ کنی، حوادث دوراں سے مژدۂ نجات کی آرزو، خطۂ ارضی پہ امن واماں، خطاؤں پر ندامت، متاع ایمان کی سلامتی، تقرب الٰہی کا اشتیاق، دیار رسول ﷺ میں حضوری، پرِ پرواز شوق کی تمنا، آئینہ رہ گذار نبی کی طلب، سرکار دو عالم ﷺ کا توسل آپ کی مناجات کے اہم موضوعات ہیں۔

ہنگام مناجات اللہ تبارک وتعالیٰ کا بے پایاں لطف کرم آپ کے پیش نظر رہتا ہے اس لیے آپ اس رحیم وکریم سے سوال کرتے ہوئے قطرے کے نہیں بلکہ دریا کے طالب ہوتے ہیں، حاضری طیبہ کے ساتھ ساتھ نعلین رسول کے بوسے کے بھی تمنائی ہیں، میدان حشر میں سایۂ گیسوئے نبی پانے کے آرزومند ہیں، محض ایک بار نہیں بلکہ بہ ہر گام پہ جلوۂ حسن ازل پانے کو بے تاب ہیں، تسخیر سیارگاں کی بجائے تسخیر نفس کے خواہش مند ہیں، ہوس سیم وزر کی بجائے عشق رسول کے گوہر تاب دار کے تمنائی ہیں، نعت کے نئے آفاق کا سفر، فضائے سخن میں پرواز اور نئے رنگ زار میں قیام آپ کی دعاؤں میں سرفہرست ہے، قافلۂ افکار کی بے پیر ہنی دور کرنے کے لیے قبائے نوری کی طلب اشارہ کرتی ہے کہ آپ اپنی نسلوں کے لیے زبان وادب کی صالحیت کے بھی طلب گار ہیں،

الغرض آپ نے اپنے شاداب تخیل، معنیٰ خیز لفظیات، اسلوب کی طرفگی اور نادرہ کاری سے مناجات کی تقدس مآب صنف کو خوب باثروت کیا ہے۔ یہ اس مومن صادق کا لہجہ ہے جسے دعا کی تاثیر اور مجیب الدعوات کی قدرتوں پر یقین ہے لہٰذا آپ کا مناجاتی اثاثہ قارئین کو ایمان ویقین اور سکون قلب کی دولت سے مالا مال کرتا ہے۔

جیسا کہ مذکور ہو چکا حضرت نور نے اپنی شاعری کی ابتدا ہی نعت گوئی سے کی، آپ کی بیاض سخن میں نعت شریف کا توافر اس فن سے آپ کی بے پایاں دل چسپی و دل بستگی اور رسول کائنات ﷺ سے عشق ومحبت پر شاہد ہے اب تک آپ کے آٹھ مجموعہ ہائے نعت منصۂ شہود پر جلوہ نما ہو کر نعتیہ ادب کا وقیع حصہ بن چکے ہیں، جن میں سے مطلع نور، قلزم نور، دریچۂ نور، مرکز نور اور جوئے ثنا میں بیشتر کلام آپ کی طبع زاد

زمینوں میں، ہیں نت نئی زمینوں کا اختراع و ایجاد آپ کا اختصاص ہے، آپ کا ایک کارمنفرد یہ بھی ہے کہ آپ نے مرزا اسد اللہ غالب، میر تقی میر اور خواجہ میر درد جیسے بزرگان شعر و ادب کی غزلیہ زمینوں میں نعت کے گل بوٹے اگائے ہیں" ثنا کی نکہتیں"، "نعتوں کے دیے" اور" مدحت کی کہکشاں" اہل ذوق کے لیے خاصے کی چیزیں ہیں ان مجموعوں میں حضرت نور کی تضمین کاری، ترکیب سازی اور زبان دانی بام عروج پر متمکن ہے، ان مجموعہ ہائے کلام کا بالترتیب و بالاستیعاب مطالعہ حضرت نور کی نعتیہ شاعری کی تفہیم میں معاون ہوگا ان تقدیسی ادب پاروں نے ہندوستان میں نعتیہ ادب کے فروغ کے محرکات کی صورت اختیار کرلی ہے۔

حضرت نور کے نعتیہ کلاموں میں بحور و اوزان کا انتخاب آپ کی ادبی نفاست کا مظہر ہے آپ کی بیشتر بحور مترنم اور غنائیت سے بھرپور ہیں کہیں کہیں غریب و نامانوس اور قلیل الاستعمال بحروں کی غواصی کرتے نظر آتے ہیں جو آپ کی خلاقی و صناعی پر دال ہے، آپ کی نعت نگاری میں تشبیہاتی، استعاراتی اور تلازماتی نظام، تلمیح و تجنیس کا حسن، تضاد و تکرار کا لطف، لف و نشر کا انداز آپ کی ریاضت فکری و فنی کا مرہون ہے، حضرت نور نے بہ صد عجز و نیاز تمام تر تخلیقی صلاحیتوں اور ادبی وسائل کو بہ روئے کار لاتے ہوئے نعت رسول ﷺ کے باب میں زریں کارنامے انجام دیے ہیں صنف نعت کی بے اعتنائی آپ کو ہرگز گوارا نہیں، آپ کے شہر تدبر میں مدحت و نعت کا سکہ چلتا ہے، آپ خامۂ نور سے ورق ماہ تاب پر نعت لکھنے کے متمنی ہیں، آپ کے آئینۂ نعت نگاری میں عشق رسول ﷺ کے عکس روشن ہیں۔ آپ کے نزدیک نعت ہی حصار خوف، سیل غم و آلام غرض ہر آشوب عصر اور تردد ات زمانہ سے نجات کا وسیلہ اور ذریعہ ہے، آپ کی اکثر ابیات تفہیم نعت، اہمیت نعت، فضیلت نعت اور

مقاصد نعت کی ترجمان ہیں چوں کہ عشق رسول ﷺ نعت کی اساسیات و مستلزمات سے ہے، حضرت نور کی نعتیہ شاعری اسی سرمدی جذبے کا بیان ہے جسے عشق رسول کہتے ہیں، آپ کی نعتیہ شاعری کی فکری حسیت اور فنی رچاؤ، آفاقیت کے جوہر سے معمور ہیں، آپ نے نعت رسول ﷺ کے ذریعے تفہیم سیرت کے نئے دل پذیر زاویوں اور دل نشین پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے، آپ نے عشق رسول ﷺ کو زبانی دعوے سے بڑھ کر کردار سازی اور عصری مسائل کے حل کی کلید بتایا ہے، آپ نے ادب کے رگ و پے میں سرایت کرتے ہوئے رکاکت و ابتذال کے مرض کا یہ علاج تجویز کیا ہے کہ اہل ادب مدح رسول ﷺ کی جانب بھی ملتفت ہوں، قرآنی افکار کی جاذب وجدان تعبیرات، خصائل و شمائل رسول ﷺ، معجزات کی تفہیم، خلق عظیم، دیار نبوت میں حاضری و حضوری، مدح نبی کے روحانی ثمرات، اختیارات مصطفیٰ، شفاعت شہ انام اور فضیلت درود و سلام وغیرہ آپ کی نعتوں کے اہم موضوعات ہیں آپ کی فکر رسا نے ان موضوعات قدیم کو ندرت و جدت کا پیراہن خوش ادا بخشا ہے، جیسے حاضری بارگاہ رسالت ﷺ کا موضوع نعتیہ متون کی روایت کا اہم حصہ رہا ہے لیکن آپ کے اسلوبیاتی انفراد نے اس موضوع کو نئے اور انوکھے رنگوں سے مزین کیا ہے آپ کے نزدیک دربار رسول میں رسائی شاخ دل پر گلاب تمنا کے کھلنے کی مانند ہے اور آپ نے شہر رسول سے واپسی کو پیڑ سے شاخ جدا ہونے اور ایک فرد کے خاندان سے بچھڑ جانے سے تشبیہ دی ہے اور یہ شعر

اٹھتے ہیں واپسی کے لیے نور کے قدم
شہر رسول! ڈال دے زنجیر پاؤں میں

ذرا اس شعر میں قدم اور زنجیر کے تلازمے اور اس سے پیدا ہونے والی پرسوز وغم انگیز فضا خاطر نشیں کیجیے، آپ بھی ہجر طیبہ کی جاں گسل کیفیت کو دل پہ اترتا محسوس کریں گے۔

جیسا کہ ایک تخلیق کار ہمیشہ اپنے گرد وپیش کے احوال اور عصری قضیات سے باخبر ہوتا ہے بلکہ اس کے شعور وخرد اور فہم ومدرکات عہد آئندہ کی آہٹ بھی سن لیتے ہیں حضرت نور کی نعتیہ شاعری عصری احساس سے ہم رشتہ ہے آپ کی نعت کے فکری تانے بانے کی ڈور کا ایک سرا روایت کی مضبوط بنیادوں سے متصل ہے جب کہ دوسرا سرا نت نئے آفاق کی تلاش میں سرگرداں ہے، آپ کے ہاں جدت نے کلاسیکیت کا ساتھ نہیں چھوڑا، آپ کی نعت گوئی سے آپ کا علمی وفور، ادبی شعور، کیاست وفراست اور احتیاط پسندی عیاں ہے آپ کے اشعار نعت تفکر وتامل کے آئینہ دار ہیں، نعت رقم کرتے ہوئے آپ کا شوق واشتیاق، دامن حرم واحتیاط کو تھامے رکھتا ہے، آپ آداب کی بجا آوری کرتے ہوئے دیار نعت میں وارد ہوتے ہیں، چوں کہ مخاطبہ ومکالمہ بھی آپ کی نعت کا اہم عنصر ہے لہٰذا آقائے کائنات ﷺ سے خطاب کے وقت آپ کے اشعار بلند آہنگ نہیں ہونے پاتے بلکہ اشعار کی مجموعی فضا سے خاکساری، کسر نفسی اور عاجزی مترشح ہوتی ہے آپ اپنے اشعار میں آقائے دوجہاں ﷺ کو آئینہ حسن ازل، شمع حرم، ابر کرم، جان دوعالم، سید کونین، رحمت کل، شافع محشر، شاہ معراج، شہ ابرار، فخر آدم، شاہ ہدیٰ، سرور کل، شاہ دیں، نقطۂ ہستی اور جلوۂ کن وغیرہ جیسے القاب سے مخاطب کرتے ہیں، توازن، تناسب، اعتدال اور سلیقہ مندی کے ان اوصاف کے سبب آپ کی نعت گوئی شرعی وشعری حدود کی مکمل پاس دار ہے، علاوہ ازیں آپ کی نعت کے فکری زاویے، لفظیاتی سانچے اور معنیاتی تہہ داری عشق و

آداب رسالت ﷺ سے واقف ہے آپ کے جذاب کلاموں میں کیف وسرور کا ایک جہان آباد ہے، ساحل الفاظ سے معانی کی امواج بے کنار میں اترتے جائیے مفاہیم کے ہمہ رنگ گوہر آب دار پیش فکر ونظر ہوں گے۔

میرے سرکار کے قدموں پہ جبیں رکھنے کو
اک طرف ساعتیں، اک سمت صدی رہتی ہے

حضرت نور نعت گوئی کے ساتھ ساتھ فن منقبت نگاری میں بھی کامل مہارت وحذاقت رکھتے ہیں، منقبت نگاری بنیادی طور پر مقتدر دینی ومذہبی اور روحانی ذوات قدسیہ کی مدح وثنا اور تحسین وتمدیح سے عبارت ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے برگزیدہ و چنیدہ بندوں کا ذکر خیر، ان کے تعبد وتقرب اور مدارج ومراتب کا بیان اور اس کے ذریعے اہل ایمان کی اصلاحِ احوال منقبت نگاری کے اہم مقاصد ہیں، حضرت نور نے اہل بیت اطہار، اصحاب کبار اور خاصان کردگار کی مدح وتوصیف میں زور سخن صرف کر کے شاہکار مناقب نظم کی ہیں، آپ کے مجموعہ ہائے نعوت مطلع نور، قلزم نور اور جوئے ثنا میں صنف نعت کے علاوہ حصۂ مناقب بھی موجود ہے۔ ''خلد عقیدت'' اور ''سبیل مودت'' کے نام سے مناقب کے دو مستقل مجموعے اشاعت آشنا ہو چکے ہیں۔ ''خلد عقیدت'' میں اہل بیت اطہار علیہم السلام، آقائے دو جہاں ﷺ کے والدین کریمین، سیدتنا خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، اصحاب نبی ﷺ، عمائدین امت، صوفیائے کرام اور اولیائے عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مناقب پیش کی گئی ہیں جب کہ دوسرے مجموعۂ مناقب ''سبیل مودت'' میں آپ نے سید الشہدا سیدنا امام حسین علیہ السلام کی بارگاہ عظمت مآب میں گل ہائے مناقب نثار کیے ہیں۔ آپ کی مناقب کی بنیادی خصوصیت آپ کی خوش عقیدگی اور جذبۂ صادق ہے،

آپ کے اشعار میں جوش و جذبہ اور ولولہ خیز عنصر محض جوشیلے اور زور دار الفاظ و تراکیب سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ صداقت جذبات اور شدت احساس پیکر شعر کو اثر آور بناتے ہیں، آپ کی منقبت نگاری کثیر الجہت ہے آپ نے اردو مدح کی اس صنف قدیم کو جدید آہنگ سے آراستہ کیا ہے، جن میں راست بیانیے کی بجائے حقائق و وقائع کی نفیس شعری دروبست کے ذریعے صنف منقبت کو بھرپور ادبیت سے ہم کنار کیا ہے، ان مناقب میں فضائل و کمالات بیان کرنے کے علاوہ اصحاب مناقب کی سیرت و کردار اور طرز عمل پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے تاکہ افراد امت اپنے کردار کی تہذیب و تعمیر کر سکیں، آپ نے قرآن و حدیث کے مسلم الثبوت فضائل کو ہی مناقب کا حصہ بنایا ہے لہٰذا آپ کے منقبتی کلام مبالغہ آمیزی اور لایعنیت سے پاک ہیں۔

حضرت نور کی مناقب کا تسلسل، بے ساختگی، نغمگی اور خوش بیانی تاثر انگیز اور دل گداز ہے، زمین اور بحر کلام کی ساخت اور معانی کے پھیلاؤ میں اہم کردار ادا کرتے ہیں آپ کی منقبت کی زمینوں اور بحروں میں ایجاز و اختصار بھی ہے اور طوالت بھی، آپ کے اظہار افکار میں وضوح کی کارفرمائی بھی ہے اور ایمائیت کا حسن بھی، تلمیحاتی اشاروں کی معنیٰ خیزی اور تمثیلات و محاکات کا حسن کیفیت اثر پذیری کو انگیخت کرتا ہے، اہل بیت اطہار علیہم السلام کا ذکر برکت خیز ان ہستیوں سے حضرت نور کے اعظام و احترام کو نمایاں کرتا ہے، اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے بلیغ تذکار مبارکہ ان نفوس عالیہ سے حد درجہ محبت اور تعلق خاطر کے عکاس ہیں بالخصوص شہدائے کربلا اور سید الشہدا امام حسین علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے تلازمات کی نزاکت اور نفاست سماں باندھ دیتی ہے آپ نے واقعہ کربلا کی روایت کو نئے استعاروں اور جدید تراکیب سے مالامال کر دیا ہے ان مناقب میں دل گرفتگی، شدید کرب اور دبیز

غم کے عناصر تو پائے جاتے ہیں لیکن یہ غم متانت، وقار اور ٹھہراؤ کی کیفیت لیے ہوئے ہے مختصر یہ کہ ان مناقب میں مرثیت نام کو بھی نہیں ملتی، شہدائے کربلا کے علاوہ دور نبوی ﷺ کے دیگر اہم شہدائے اسلام کے مناقب بھی پیش کیے ہیں جن میں سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اور شہدائے بدر رضی اللہ عنہم وغیرہ شامل ہیں۔ کبار اولیائے کرام کا تذکرۂ جمیلہ کرنے کے بعد اپنے والد و مرشد گرامی حضرت صوفی سید نواب علی شاہ رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں والہانہ وفدویانہ انداز میں مناقب کے نذرانے پیش کیے ہیں جو کمال ارادت کے عمدہ نمونے ہیں۔

یہ تمام ان مول فنی جواہر پارے منقبت نگاری کے گنج گراں مایہ میں قابل قدر اضافہ ہیں۔

دشت آتش ناک سے کچھ کم نہ تھا صحرائے جاں
ہو گیا جان گلستاں یا علی کہنے کے بعد

ہمارے جذب محبت نے نوک مژگاں سے
ڈبو کے خون میں لکھی ہے داستان حسین

رباعی شعری اصناف میں مختصر مگر مشکل ترین صنف ہے۔ مخصوص اوزان کی پاس داری کرتے ہوئے چار مصرعوں میں خیال کو یوں موثر الفاظ کا جامہ پہنایا جاتا ہے کہ خیال مصرع بہ مصرع تسلسل اور تدریجی ارتقا کی جانب گام زن رہتا ہے حتیٰ کہ چوتھے مصرع میں معنی تمام و کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ یہ فن مکمل توجہ اور انتہائی سعی و کوشش کا متقاضی ہے اور صرف ان سخن وروں کا مقدر ہے جو حجرۂ فن میں ہمہ دم

معتکف رہتے ہیں۔حضرت نور دیگر شعری اصناف میں مہارت رکھنے کے ساتھ ساتھ رباعی گوئی میں بھی ید طولیٰ رکھتے ہیں۔نعت و مناقب کے باب میں آپ نے کئی انواع کے ہیئتی تجربات کیے ہیں۔جیسے تضمین اور ہائیکو وغیرہ۔اس کے علاوہ آپ نے نعتیہ و منقبتیہ رباعیاں کہہ کر اس فن کی تقدیس و تطہیر کا سامان کیا ہے۔آپ کی رباعیات کا مجموعہ''رباعیات نور'' کے نام سے شایع ہو چکا ہے یہ مجموعہ ۵ حمدیہ، ۷ مناجاتیہ، ۲۶۲ نعتیہ اور ۱۳۳ منقبتیہ رباعیات پر مشتمل ہے۔رباعیات کا اتنا بڑا ذخیرہ یقیناً آپ کی ریاضت و مزاولت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

اس مجموعہ کی تمام تر رباعیات توازن، تسلسل، روانی، قوت تاثیر، بلند خیالی اور شعریت جیسے اوصاف سے متصف ہیں اور اس بات کی شاہدِ صادق ہیں کہ حضرت نور فن رباعی گوئی کی مسند عظیمہ پر متمکن ہیں۔

بہ طور مثال چند رباعیاں ملاحظہ کیجیے۔

مداح پیمبر کا ملے تاج مجھے
آقا کے ثنا گر کا ملے تاج مجھے
سرکار کے بخشے ہوئے ٹکڑوں پہ پلوں
طیبہ کے گداگر کا ملے تاج مجھے

❁

بے کار مہیا نہ کوئی عطر کرو
مبذول درودوں کی طرف فکر کرو
کھل جائے گی ماحول میں خوشبو اے نور
آقا کے پسینے کا ذرا ذکر کرو

سرخیل عطا فاطمہ، حسنین، علی
کونین وفا فاطمہ، حسنین، علی
اللہ بھی راضی ہو جو راضی ہو جائیں
محبوب خدا، فاطمہ، حسنین، علی

حضرت نور نے بہاریہ شاعری میں اظہار افکار کے لیے غزل کا انتخاب کیا ہے جو دلی جذبات و احساسات کی منظوم صورت گری کا بہترین ذریعہ ہے، شاخ نوا، برگ سحر، ساحل توجہ پر، تحرک، تفرید اور سخن زار آپ کے اب تک شائع ہونے والے مجموعاتِ غزل ہیں حضرت نور کی غزل موضوعاتی تنوع اور اسلوبیاتی تفرد کے سبب مقام اختصاص کی حامل ہے آپ کو رائج تقلید کے قائل نہیں، آپ کی غزل میں موجود فنی خصائص آپ کی ریاضت شاقہ پر دال ہیں آپ کے دیار تخیل میں اظہار کے نئے آفاق اور بیان کی انوکھی جہات کا ظہور یونہی نہیں ہوا بلکہ یہ تو بام سخن پر سال ہا سال چراغ فکر جلانے کا صلہ ہے، مشق و ممارست کا فیض آپ کے خامۂ بلاغت رقم سے وہ شاہکار نمودار کرتا ہے جو تعمیری حسن سے مالا مال ہیں، شاخ بریدہ کو شجر کرنا، تنکے تنکے سے گھونسلے بنانا، بحر نوا میں سنگ تخاطب گرانا، کینوس میں رنگ بھرنا، فصیل تیرگی گرانا، دشت تحرک میں گل کھلانا، نئے چراغوں کا اہتمام، نئی فصلوں کی کاشت، زور شہپر کی آزمائش سب تعمیریت کے اشارے ہیں، حضرت نور کی غزل زندگی کی متضاد کیفیات سے پھوٹنے والے حسن سے عبارت ہے، ظلمت و نور، جہل و شعور، حقیت و اوہام، خیر و شر، واقعیت اور افسانہ اور ظاہر و باطن ندی کے دو کناروں کی طرح ساتھ ساتھ بھی چلتے ہیں اور اپنی ازلی کش مکش سے رود زندگی کے سکوت و جمود کو توڑنے کی کوشش کرتے ہوئے حسن کائنات کا موجب بھی بنتے ہیں، باطن کو ظاہر سے مربوط

رکھنا، شر سے خیر کشید کرنا، خوف سے امید اور امید سے یقین کی دریافت ہی دلیل حیات ہے حضرت نور کی بہاریہ شاعری امید و یقین کی بازیافت ہے، آپ کی غزل یاس اور خوف کی وحشت ناک شب کے خاتمے اور صبح صادق کے نمود کی نوید ہے، آپ کی غزل نہ تو محض خارج کا اظہاریہ ہے نہ صرف داخلیت کا بیانیہ بلکہ آپ کی غزل بہ طرز جدید داخلی علائق اور خارجی حقائق کے متناسب ربط وضبط سے وجود پذیر ہونے والے جمالیاتی اظہار کا نام ہے، جس میں فردیت بھی ہے اجتماعیت بھی، دروں بینی بھی ہے اور بیروں نظری بھی، آشوب عصر بھی ہے اور حکایت دل بھی، فسانہ ہائے عشق بھی ہیں اور آلام روزگار بھی، آمد بہار کے نغمات بھی ہیں اور خزاں رسیدگی کے نوحے بھی گویا موضوعات کی بے کناری جذب وکشش کا باعث ہے لیکن ایک اور خوبی بھی ہے جس نے آپ کی غزل کو وقار و اعتبار یافتہ بنایا ہے اور وہ ہے عصری حسیت، بلاشبہ زمانی و مکانی مقتضیات کی بجا آوری ہی غزل کی تازگی اور زندگی ہے جب کہ عصری شعری رجحانات و اغراض سے اغماض و اعراض اس فن کی ممات ہے، حضرت نور کی غزل عصریات سے ہم آمیز اور ہم کنار ہے، عصر موجود کے مسائل کا ادراک، تیز رفتار زندگی، سائنسی ترقی، اخلاقی تنزلی، تغیر پذیر ہوتی اقدار، وقت کے دھارے کا بہاؤ، انسان کی بدلتی ہوئی ترجیحات، رشتوں کی پامالی، مشینوں کی احتیاج، آدم بیزاری وغیرہ جیسی بحثیں بھی ان کے شعری اظہاریے کا حصہ ہیں اشعار غزل سے سماجی مسائل کا گہرا شعور عیاں ہے، آپ نے پھولوں کے پیرہن میں چھپے خار، محبتوں کے پردے میں انگڑائیاں لیتی نفرتوں اور تنزلی کا شکار ہوتی ہوئی اقدار کو بھانپ کر انہیں موضوع شعر بنایا ہے۔

وہی غبار، وہی شور، وہ ہی ہنگامہ
ہر آتے جاتے ہوئے قافلے میں رہتا ہے

کیا کرے گا سوالات کوئی
گونگی بہری صدی ہو گئی ہے

سماجی و معاشرتی رویوں کی مظہر ہونے کے ساتھ ساتھ غزل انسان شناس بھی ہوا کرتی ہے، یہ شاعر کے مزاج کی پرتوں کے نیچے چھپے ہوئے اس کے باطن اور اصل کو کھوج نکالتی ہے حضرت نور کی غزلیات بھی آپ کے طبعی میلان اور مزاج کے مختلف رنگوں کی عکاس ہیں، آپ ایک ایسے انسان کے روپ میں جلوہ گر ہوئے ہیں جو سجادۂ غنا پہ متمکن ہے جس کی زنبیل تواضع تشکر و امتنان کی دولت بے بہا سے معمور ہے جس کا آئینۂ دل غبار نفرت سے پاک ہے، جو افلاک عظمت و ارتقا کی سیر کرتے ہوئے اپنے قدموں کا رشتہ مٹی سے استوار رکھتے ہیں، آپ کی غزل ماضی، حال اور مستقبل تینوں زمانوں میں یکساں سفر کرتی محسوس ہوتی ہے ماضی آپ کے لیے حسرت و یاس کی بجائے راحت سامانی کا سبب ہے جس سے آپ لمحۂ موجود کو روشن کر کے مستقبل کے امکانات کا جائزہ لیتے ہیں، جب لمحۂ موجود اپنے دست ظلمت شعار میں پرچم تنہائی تھامے ہوئے آپ کی طرف بڑھتا ہے تو آپ عہد رفتہ سے کوئی روشن لمحہ چرا کر خلوت گاہ قلب کو تابناک کرتے ہیں، ماضی کی روشنی سے فروزاں ہونے والے یہ چراغ حال کے ساتھ ہی مستقبل کے امکانات کو پر ضیا کرنے کا سامان کرتے ہیں۔

حضرت نور کی غزل میں واقعیت کے ساتھ ساتھ طلسماتی اور مابعد الطبیعاتی فضا بھی موجود ہے جو بنیادی طور پر داستانوی ادب کا حصہ ہے لیکن جدید شعرا نے شعر گوئی میں بھی اس کے استعمال کی راہیں تلاش کر لی ہیں، سخن ور کا لفظوں سے ایسا طلسم پھونکنا کہ قارئین اس طلسم کو فریب نظر جانتے ہوئے بھی اس سے مسحور و محظوظ ہو جائیں کسی فن کاری سے کم نہیں، حضرت نور کی غزل میں کہیں کہیں ماورائی مناظر، اساطیری کردار اور دیو مالائی تلمیحات بھی موجود ہیں، آپ نے زور تخیل سے ایسے مناظر تخلیق کیے ہیں جو ان دیکھے ہونے کے باوجود دیکھے ہوئے محسوس ہوتے ہیں، سائے کے تعاقب کا احساس، رات کی سسکیاں، دیوار قہقہہ، طلسم زادے کی صدائیں، پلٹنے والے کا پتھر ہو جانا، کوہ ندا، تسمہ پا، عنقا اور طلسمی پیڑ وغیرہ خوف و ہراس کے عناصر پیدا کر کے تعجب، تحیر اور تجسس ابھارتے ہیں اور ایسے طلسم خیال تک لے جاتے ہیں جو اپنے مکمل جزئیات اور بھرپور شعریت کی بنا پر حقیقی محسوس ہوتا ہے، اس قسم کے فن پارے جداگانہ ادبی حیثیت کے حامل ہیں، بعض مقامات پر حقیقت نگاری میں طلسم نگاری ایسی ضم ہوئی ہے کہ ذہن "طلسمی حقیقت نگاری" کی لاطینی اختراع کی طرف منتقل ہو جاتا ہے لیکن یہ بات وثوق سے نہیں کہی جا سکتی کہ شاعر ممدوح نے یہ تکنیک قصداً استعمال کی ہے یا یہ طریق سخن لاشعوری طور پر اشعار میں در آیا ہے۔

حضرت نور کے آئینہ خانۂ غزل میں جا بہ جا پیکر تراشی اور تمثال کاری کے عکس نظر آتے ہیں منظر نگاری اور فضا سازی آپ کی شاعری کی خاصیت ہے آپ مختلف الفاظ و تراکیب کی مدد سے ایسے حسی پیکر تشکیل دیتے ہیں جو شاعری کو مصوری سے ایک قدم آگے لے جاتے ہیں، راکھ کے بجھتے ڈھیر میں نظارۂ رقص و شرر، روٹھ کر جاتی ہوئی روشنی کو خوش نود کرنا، تاریک جنگل میں سورج کی ہم راہی، خواب میں رتجگے

اور کالی گھٹا سے رخصتی کی درخواست، آبشار کی تہ کے نیچے کسی کی چشم نم کا وجود جیسے مناظر قارئین کے اذہان پر مختلف حرّ کی مناظر منعکس کرتے ہیں، آپ کے ہاں جدید لفظیات وتراکیب کی کثرت ہے لیکن یہ جدیدیت ایسی نہیں کہ دامن غزل ہی ہاتھ سے جاتا رہے، آپ کی شاعری نے محض جدیدیت کا خول نہیں پہنا (جیسا کہ فی زمانہ بعض شعرا کا شعار ہے) بلکہ آپ کے ہاں جدت کے باوجود متن کا معانی سے رشتہ اور ابلاغ و افہام کا تسلسل موجود ہے، آپ ترکیب سازی میں ید طولیٰ رکھتے ہیں دو دو یا تین تین مفرد الفاظ کے ماہرانہ ارتباط سے تخلیق کردہ مرکبات معانی کی بے کرانی رکھتے ہیں جیسے ستارۂ امید بے دلاں، دولت حسن غزل، ہوائے کوئے بہاراں، حجرۂ خامشی، زندگی کی چمکتی لکیر، جنون تیز روی، سنگ بے نقش، چشم طلسم ساز، جہانِ ساحری، فصیل نگاہ، نوبت شہاں، دہلیز سحر، تسبیح سخن، خامۂ منظر نگار، دشت لاعبور وغیرہ، ان تراکیب نے غزل کے پیکر کو اور بھی دل نشیں بنا دیا ہے، آپ کے اکثر کلام ندرت قوافی کے شاہکار ہیں، تحلیل اور تشکیل کے ساتھ چیل، کیل، بابیل اور فیل کے قوافی ندرت بیانی کی اعلیٰ مثال ہیں، اسی طرح کھنڈر اور چھت جیسے الفاظ کو بھرپور شعریت کے ساتھ بہ طور قوافی یوں برتا ہے کہ ہر جگہ ان الفاظ کی معنوی جہات مختلف ہیں۔

دور رکھنے کا تصور بھی گراں تھا مجھ کو
اس کی تصویر ملی مجھ کو تو میں کیل ہوا

جہاں رکھے قدم اہل جنوں نے
فضا اس گھر کی صحرائی ہوئی ہے

کس نے انگارے بھر دیے آخر
کیوں دھواں پھول دان سے نکلا

آپ کی غزلوں کی ردیفیں بھی تازگی کا احساس دلاتی ہیں آپ کا ردیفی نظام بہت متحرک اور جدت طراز ہے جیسے نکلتے ہیں، میری طرف، میں بھی ہوں، لایعنی، چلنے لگی ہوا، لکھ رہا ہوں، چلے ہیں، کیوں ہے، برا لگے تو لگے وغیرہ، یہ ردیفیں اپنے قوافی اور مضامین سے خوب مربوط ہیں جو آپ کی قادرالکلامی کا ثبوت ہیں۔

خانقاہی ماحول میں تربیت اور طبعی طہارت ونظافت کے جوہر نے آپ کی غزل کو تہذیب کے سانچے میں ڈھال دیا ہے، کثیر مقامات پر آپ کی غزل نسبتی رنگ میں رنگی محسوس ہوتی ہے اور جذب وکیف طاری کرتی ہے، آپ کا قلم اعجاز رقم جب رنگ مجاز میں مائل بہ تحرک ہوتا ہے تو احساس دریچے پر اجالے بکھیر دیتا ہے۔

غزل کے باب میں آپ کی صناعی وخلاقی تخلیق ادب کے نئے معیار بصیرت نواز کرتی ہے، بہ قول فراست رضوی

''ان کی غزلیں پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ یہ شاعری سے آگے کی کوئی منزل ہے جہاں حسن تخلیق کے رشتے حسن خالق سے جاملتے ہیں''۔

(تحرک مجموعہ غزلیات ص 17)

# سید محمد مجیب الحسن مجیب نوابی عزیزی

سید محمد مجیب الحسن نوابی عزیزی المتخلص بہ "مجیب" ایک خوش آہنگ شاعر اور صاحب اسلوب ادیب ہیں آپ حضرت الحاج صوفی سید نواب علی شاہ رضی اللہ عنہ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں، آپ ۸ جولائی ۱۹۹۰ء کو قاضی پور شریف کے ایک معروف سادات گھرانے میں تولد ہوئے، آپ دینی، مذہبی اور عصری علوم کی تحصیل کے جملہ مراحل طے کرنے کے بعد عملی زندگی کا آغاز کر چکے ہیں آپ اپنے برادر کلاں سید محمد نور الحسن نور نوابی عزیزی سے شرف تلمذ رکھتے ہیں، حضرت نور سے اردو زبان و ادب کی تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ وادیِ شعر و سخن کی راہ بھی انہیں کی رہنمائی میں طے کر رہے ہیں، آپ کا شمار عصر حاضر کے ندرت طراز اور جدت شعار شعرا و ادبا میں ہوتا ہے، مقام مسرت و ابتہاج ہے کہ کم عمری میں ہی آپ کے کار ہائے ادب کی فہرست خاصی طویل ہے، آپ متعدد شعری و نثری کتب کے مصنف و مرتب ہیں، اب تک آپ کے دو مجموعہ ہائے کلام بہ نام "بام ایجاب" اور "بادِ صبا کی خوشبو" اشاعت پذیر ہو چکے ہیں، ان مجموعات میں زبان و بیان پر کامل دسترس اور انفراد اسلوب کے نمونے جا بہ جا نظر آتے ہیں۔ "بام ایجاب" کا مقتدر حصہ نعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مقربین باری تعالیٰ کی مناقب پر مشتمل ہے، یہ مجموعہ کلام دنیائے شعر و سخن میں آپ کے تعارف اور شناخت کا بہترین حوالہ ثابت ہو چکا ہے، آپ کا دوسرا شعری مجموعہ "بادِ صبا کی خوشبو" تقدیسی و بہاریہ شاعری کا احسن امتزاج

ہے،نعوت، مناقب اور غزلیات جیسی اہم اصناف سخن اس مجموعہ کے مشمولات ہیں ۔ اس مجموعے سے آپ کے شعری ارتقا کا بھرپور ادراک ہوتا ہے،''بادصبا کی خوشبو'' کا دوسرا ایڈیشن پاکستان سے بھی شائع ہو کر شائقین ادب کی توجہ مبذول کرنے میں کامیاب رہا ہے،شعرگوئی کے ساتھ ساتھ نثر نگاری کے میدان میں بھی آپ کا رخش خامہ خوب کامیاب و کامران ہے، آپ کے تحقیقی و تنقیدی مضامین ،آراء اور تبصرہ جات مختلف کتب و جرائد کی زینت بنتے رہتے ہیں، جو آپ کی اعلیٰ درجے کی تخلیقی و تنقیدی صلاحیتوں کا بین ثبوت ہیں۔

اعلیٰ پائے کے ادب کی تخلیق کے ساتھ ساتھ ترتیب و تدوین بھی آپ کا مابہ الامتیاز ہے، بہ طور مرتب آپ نے منتشر علمی جواہر و یواقیت کو ترتیب دے کر گراں قدر علمی خدمت سرانجام دی ہے، آپ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ نے استاد گرامی قدر حضرت سید محمد نور الحسن نور نوابی عزیزی (دام ظلہ) کے مجموعات نعوت کو کلیات کی صورت میں ''اثاثہ'' کے نام سے مرتب کیا ہے، نیز حضرت نور کی کہی ہوئی مناقب سید الشہدا کی ترتیب و جمع آوری بھی آپ کا ایک منفرد اور وقیع کارنامہ ہے یہ اپنی نوعیت کا واحد مجموعہ ہے جو ایک ہی شاعر کی کہی گئی بہتر (۷۲) مناقب سید الشہدا پر مشتمل ہے، آپ نے استاد گرامی کی نعتیہ شاعری پر تحریر کردہ تحقیقی و تنقیدی مضامین کو ''انعطاف'' کی صورت میں یکجا کر کے شائقین شعر تقدیس کی تسکین ذوق کا اہتمام کیا ہے، علاوہ ازیں آپ نے ''سخن در سخن'' کے نام سے مضامین کا ایک اور مجموعہ مرتب کیا ہے جو **راقمہ** کی تحاریر اور مشاہیر کی آرا پر مشتمل ہے، آپ نے ''حرف یقیں'' کے نام سے بھی ایک مجموعہ مضامین ترتیب دیا ہے جو حضرت نور کی غزل کی تکنیکی، فنی اور فکری

جہات سے شناسائی اور جدید غزل کے مقدرات و امکانیات جانچنے کا بہترین ذریعہ ہے، آپ کی یہ تمام تر ترتیب کردہ کتب آپ کے نفیس ادبی ذوق کی شاہکار ہیں۔

مجیب الحسن مجیب کا شعر عقیدت تمام تقدیسی موضوعات جیسے حمد و مناجات اور نعت و مناقب پر مشتمل ہے، آپ کی تازہ شعری زبان، جدید تناظر اور منفرد خیالی پیکروں نے حمد و مناجات کے روایتی مضامین کو بھی متاثر کن اور کیفیت خیز بنا دیا ہے، آپ کا خامۂ تخیل، بیاض صبح پر اجالوں سے حمد تحریر کرتا ہے، آپ نے نوع بہ نوع اور تازہ بہ تازہ امثلہ کے ذریعے خالق کائنات کی قدرت بے کراں کو بیان کیا ہے، آپ کے حمدیہ اشعار میں حسنِ الفاظ و معانی اور مناجات کا التماسی و التجائی آہنگ متاثر کن ہے، آپ کی معروضات انفرادی بھی ہیں اور اجتماعی بھی، آپ کا کشکول مراد رب کائنات کے لطف و کرم کے سکوں سے معمور ہے، آپ اس انعام پر اظہار امتنان کے ساتھ ساتھ اس سلسلۂ لطف و عطا کے دوام کے تمنائی بھی ہیں، دھوپ کو سائبان کر دینے کی تمنا اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ اللہ کی قدرت کاملہ پر یقین واثق رکھتے ہیں، در رسول ﷺ پر بے زبانی کو زبان کر دینے کی آرزو آپ کے غایت درجہ ادب و احترام کی جانب اشارہ کرتی ہے، آپ صبح کی ہوائے تازہ کی مانند دلوں کی کلیاں کھلانا چاہتے ہیں، الغرض آپ کی حمدیہ اور دعائیہ منظومات آپ کے منفرد انداز بیاں کے عکاس ہیں۔

آغوش میں طلسم کے دریا جو قید ہوں
پانی میں ماہتاب اترتا اسی کا ہے

ہوائیں اس کے لیے چپوؤں کا کام کریں
سمندروں میں ہے کشتی ترانے والا وہ

جا رہا ہے خیال سوئے رسول
بے زبانی کو ہی زباں کر دے

جناب مجیب الحسن مجیب کے اب تک شائع ہونے والے شعری مجموعوں میں صنف نعت غالب صنف کے طور پر سامنے آئی ہے، جس کے نمایاں اسباب میں خانقاہی ماحول، توارث نسبی اور بے انتہا ذوق وشوق سرفہرست ہیں بالخصوص طویل صحبت استاذ نے صراط نعت کے اس راہ رو کو منزل شناس کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے، اپنے پہلے مجموعہ نعت "بام ایجاب" میں اپنے شعری سفر کے آغاز کے متعلق یوں رقم طراز ہیں۔

"اس خاکسار کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ از آغاز تا امروز حضرت نور کی نعت کا سامع اول رہا ہے، استاد گرامی جس روانی سے شعر کہتے تھے میں دیکھتا اور عش عش کرتا رہتا تھا۔ ادھر کوئی زمین نکالی اور اگلے ہی لمحے حضرت نور کا قلم سطح قرطاس پر لعل وگہر رولنے لگتا، اس سرعت سے بوڑھے لفظوں کے بدن کو اپنے جذبات کے لمس سے جوان رکھنے کا ہنر میں نے کہیں اور نہیں دیکھا، لاشعوری طور پر میں بھی دل ہی دل میں بے ربط سے مصرعے وضع کرتا اور ان مصرعوں کو فراموش بھی کر دیتا، کسی کو سنانے کا مجھے حوصلہ نہ ہوا، ہمیشہ جھجھک دامن گیر رہتی ۔۔۔ حضرت نور نے اپنے شعری سفر کے دوران مجھے بھی صراط نعت کا رہرو بنا لیا اور ہر گام پر میری رہنمائی کرنے لگے، آج اگر نعت نگاروں میں میرا نام شامل ہے تو یہ انہی کی انگلی پکڑ کر چلنے کا نتیجہ ہے"۔

مجیب الحسن مجیب کے نعتیہ کلام آپ کے باطن سے بلند ہوتی ہوئی وہ دل نواز صدائیں ہیں جو عقیدت و الفت کے صادق جذبات کی بازگشت ہیں آپ کی نعت کے گہرے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی قوت متخیلہ، استعداد نظم اور کمال سخن وری سے اپنے قلب پر طاری ہونے والی کیفیات و واردات کو من و عن نعت کے لطیف سانچے میں ڈھال دیا ہے، قارئین بھی ان کیفیات کو محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتے، یوں آپ کی وجد آور شعریات قلب و روح کو سرشار اور فکر کو متحرک کرتی ہیں، یاد نبی کی ہم سفری، کنج نفس میں یاد نبی کی جلوہ گری اور یاد نبی کے دریچے سے آنے والا ٹھنڈی ہوا کا جھونکا قارئین کو بھی سرور و طمانیت بہم پہنچاتا ہے، چمن زار طیبہ کی فضا سے مہجوری کا ذکر قارئین کے طائر دل کو بھی بے قرار کر دیتا ہے۔

جناب مجیب نعت نگاری کے تقاضوں کا گہرا شعور رکھتے ہیں، صنف نعت جس صدق اظہار، حسن بیان، طہارت فکر اور اصابت نظر کی مقتضی ہے وہ سب اوصاف آپ کی نعت نگاری میں بہ درجۂ اتم موجود ہیں، بالخصوص فن نعت گوئی کے آداب کی بجا آوری اور نظم نعت میں احتیاط پسندی آپ کے ہر کلام سے عیاں ہے، دیار نعت میں داخل ہوتے ہوئے نہ صرف خود رخش تخیلات کی لگام تھامے رکھتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی باادب اور ہوشیار رہنے کا مشورہ دیتے ہیں، آپ کی نعت نگاری میں نکتہ وری اور مبحث کا تنوع بھی قابل دید ہے، مثلاً حضور اکرم ﷺ کے دربار کرم بار سے عطا ہونے والی نعمتوں کا ذکر نعت کا روایتی موضوع ہے لیکن جناب مجیب کے مخصوص اور منفرد انداز نے اس مضمون کو کیسی تازگی سے ہم کنار کیا ہے ملاحظہ کریں۔

قبائے سبز ہر اک دشت بے لباس کو دے
اک ایسا فیض کا دریا ہے گنبد خضرا

اس شعر میں قبائے سبز اور گنبد خضرا کا لفظی و معنوی ربط، دریا اور زرخیزی کا تلازمہ اور دشت بے لباس کی تہہ داری اس متن کو تہ در تہ معنوی تواتر سے ہم کنار اور متعین معنیٰ کی قید سے آزاد کر رہی ہے، اسی طرح زائر طیبہ کا مناظر در نبی کو آنکھوں میں بسالانا بھی ایک معروف مضمون ہے اس مضمون میں جدت کی مثال:

نگاہیں اڑ گئیں طیبہ سے گھر کو
لیے آغوش میں دیوار و در کو

لوٹ کر آئی نہیں میری نظر
اتنا شہرِ مصطفیٰ اچھا لگا

مجیب الحسن صاحب کی نعتیں آقائے دو جہاں ﷺ کے خلق عظیم کے ذکر جمیل سے متصف ہیں۔ آپ کے اشعار میں اخلاق حسنہ کی جلوہ گری نہایت عمدہ انداز میں ہوئی ہے۔ بہ طور مثال ایک شعر ملاحظہ کیجیے۔

پھول بیانی سے آقا کی گھبرائیں
نیزے، بھالے، تیر اور خنجر صلِ علیٰ

سبحان اللہ، یہ شعر سلاست، شعریت اور واقعیت ہر سہ عناصر کا حامل ہے آپ نے آقائے کائنات ﷺ کے شہد آگیں لہجے کو پھول بیانی کہہ کر قارئین کے تخیل میں ایسے حسی پیکر تشکیل دیے ہیں جس سے ذہن فوراً نرمی، گدازی، رنگ اور خوشبو کی جانب منتقل ہو جاتا ہے معانیِ مقصود کا ایسا سریع ابلاغ ہی کسی سخن طراز کی کامرانی کی دلیل ہے، دوسرا مصرع بھی محض شاعرانہ خیال نہیں بلکہ مبنی بر حقیقت ہے، دیگر شاہان جہاں کی طرح آقائے نامدار ﷺ نے فتوحات بہ زور شمشیر حاصل نہ کی تھیں بلکہ

آپ کے عفو و درگزر، خندہ روئی، خوئے تبسم اور حسن تکلم کے سامنے تیر و تفنگ اور تیغ و سناں کی طاقت ماند پڑ گئی، اور آپ ﷺ نے اپنے خُلق عظیم سے تمام خلق کو اسیر کر لیا۔ اسی معنیٰ و مضمون کے دو مزید اشعار نذر قارئین:

باغ سماعت میں ہر جانب شور ہے یہ
پھول کی صورت بولتا لہجہ ان کا ہے

مرے سرکار کی خندہ لبی کے
ستارے استعارے بن گئے ہیں

آپ کے دونوں مجموعوں کے نعتیہ کلاموں کا بہ غور جائزہ وسعت مضامین کا غماز ہے، بہ طور مثال بام ایجاب کا ایک شعر ہے۔

لے نہیں جاتے در سرکار پر مجھ کو مجیب
کس لیے میں بال و پر کو بال و پر لکھتا رہوں

بادصبا کی خوشبو میں اسی مضمون کی وسعت کا انداز دیکھیے۔

ہوا جب ان کی جانب محو پرواز
دعائیں دی ہیں مجھ کو بال و پر نے

مجیب الحسن صاحب کی بیاض شوق میں ایسے سینکڑوں اشعار نعت موجود ہیں جو نعت کی تہذیبی و جغرافیائی فضا کی عکس بندی کرتے ہیں، زمین و آسمان کے کئی مقامات آقائے دو جہاں ﷺ سے منسوب ہو کر مرکز عقیدت ہی نہیں بلکہ موضوع مدحت کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں، ان امکنہ کا ذکر جذبۂ عشق کو جلا بخشتا ہے، شاعر ممدوح کی ثنا کاری میں حرم پاک، مدینہ منورہ، غار حرا، گنبد سبز، مینار، روضۂ رسول،

عرش علیٰ اور سدرۃ المنتہیٰ وغیرہ کے ذکر سے ان مقامات سے نسبت شہ لولاک اور عقیدت عشاق اجاگر ہوتی ہے، بالخصوص شہر نبی کا حسن، سفر مدینہ سے پہلے قلب ونظر کی تادیب، رہرو مدینہ کی پذیرائی، بزم خیال میں شہر رسول کی جلوہ نمائی آپ کے اہم موضوعات ہیں۔

جناب مجیب کی نعتوں سے آپ کی خوش عقیدگی اور ایمان کی پختگی عیاں ہے۔ آپ حضور اکرم ﷺ کی یاد، نام اور ذکر کو ہر الم سے نجات اور ہر بیماری سے شفا کا وسیلہ گردانتے ہیں، بلا شبہ نام نبی ﷺ کا ورد کرنے والے سے حادثات خوف کھاتے ہیں اور بلائیں بھی دور بھاگتی ہیں، اسی لیے شاعر ممدوح نے درود پاک اور اسم شہ کونین کے ورد کو زنجیر نفس کے زنگ، خیمۂ فکر کی تاریکی، روح کے بنجر پن اور تشکیک کے زخموں کا علاج بتایا ہے، علاوہ ازیں جسمانی وروحانی عوارض، آلام وہموم اور آشوب عصر کا ذکر کر کے استغاثہ واستعانت کرنا بھی آپ کے نعتیہ مضامین کا حصہ ہے، آپ کا یہ استغاثہ اور طلب اعانت رسمی نہیں بلکہ آپ شہ ارض وسما ﷺ کی مدد و نصرت پہ یقین رکھتے ہوئے مستغیث ہوتے ہیں، جب آپ غم والم کی مہیب ظلمت سے گھبرا کر اغثنی یارسول اللہ ﷺ کی صدا بلند کرتے ہیں تو آقائے دو جہاں ﷺ کا کرم روشنی کے دائروں کی صورت رہ گذار زیست کو روشن کرتا ہے، یہ وہ یقین ہے جو آپ کی نعت کا خاصہ ہے۔

جب اغثنی یا رسول اللہ گونجے گی صدا
راہبر اک روشنی کا دائرہ ہو جائے گا

آپ اپنی دعاؤں کی قبولیت کے لیے صالحین و کاملین کے توسل پر اعتقاد رکھتے ہیں آپ نے اپنے اشعار میں جابہ جا آقائے دو جہاں ﷺ اور آپ کی آل پاک علیہم السلام کا وسیلہ پیش کیا ہے۔

مجیب الحسن صاحب کی نعت فکر و فن کی بلندیوں پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ جمالیاتی اور اسلوبیاتی اعتبار سے بھی اہم ہے آپ کی نعتیہ شاعری کے جمالیاتی نظام کا مرکز آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ستودہ صفات ہے، جو وجہ تخلیق کائنات ہے۔ آپ کی نعتیہ شعری کائنات میں جمالیات کے دیگر سب زاویے اسی نقطۂ حسن و جمال سے تشکیل پاتے ہیں، آپ کی نعوت میں آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے مبارکہ، سیرت مطہرہ اور اوصاف جلیلہ کے گوشے جمالیات کی بنیاد ہیں، مختلف تشبیہات و استعارات کے ذریعے جمالیاتی حس کو انگیز کیا گیا ہے، آپ کے اشعار نعت میں سرسبز وادیاں، عطر بیز ہوائیں، نکہت طیبہ، رنگ و نور، رحمت خدا، گلاب، قرطاس دل، بوئے جنت جیسے لفظیات و مرکبات جمالیاتی انبساط پیدا کرتے ہیں۔

انہیں کے واسطے اثمار زندگی پہ بہار
کیے ہیں باغوں نے سولہ سنگھار ان کے لیے

آپ کی لفظیات دل کش بھی ہیں اور منفرد بھی، بالخصوص لفظ "آسمان" کے ساتھ آپ نے عمدہ ترکیب سازی کی ہے، جیسے افلاک عظمت، عروج کے آسمان، آسمان نوا، بام فلک، چرخ فکر، سر ہفت آسمان، عروج چرخ وغیرہ، ان تراکیب سے برآمد ہونے والے معانی وسعت و تہ داری میں اپنی مثال آپ ہیں، آسمان اور اس کے متعلقات جیسے شمس و قمر، نجوم اور کہکشاں کے ساتھ ساتھ برجیس اور کیوان جیسے

ستاروں کے ناموں کو نظم کرنا جدت لفظی کی اعلیٰ مثال ہے اسی طرح آسمان کے دیگر مترادفات مثلاً چرخ، فلک، سپہر اور سماء جیسے الفاظ وسیع تر معنوی امکانات کے ساتھ جلوہ گر ہوئے ہیں آپ کا شاید ہی کوئی کلام ایسا ہو جو آسمان اور اس کے منتسبات کے ذکر سے خالی ہو۔ اس کے علاوہ آئینہ، آغوش، خار، زنجیر، دوشالا، چھت، برودت، سنگھار، جھرنے، خوشبو، شرر، روشنی جیسے الفاظ تکثیر معنی کا مظہر ہو گئے ہیں۔

آپ کی نعت کا استعاراتی نظام بھی خاصا مبسوط ہے، آپ کے نادر استعارے معنی کے پھیلاؤ، وسعت اور اثر خیزی کا باعث ہیں۔

جدید رنگ تغزل میں چند اشعار نعت ملاحظہ کیجیے۔

چمک سے جس کی سخن جہانوں میں ہے اجالا
جو آسمانِ نوا پہ چمکا مرا نبی ہے

اثاثہ نکہت طیبہ کا بھر کے دامن میں
ہوئیں ہوائیں غریب الدیار ان کے لیے

مری نگاہ بھی پہنے گی روشنی کا لباس
جو خاک طیبہ مرے آگے جلوہ گر ہو گی

مجیب الحسن مجیب کے تقدیسی کلام کا چوتھا اہم ترین موضوع منقبت نگاری ہے، منقبت کا شرعی جواز قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ منظوم مناقب کی روایت پورے تسلسل سے قدما سے دور حاضر تک پہنچی ہے، جناب مجیب نے دیگر شعری اصناف کی طرح صنف منقبت میں بھی اپنے تخلیقی جوہر خوب دکھائے ہیں، آپ نے

مقربین وصالحین کے فضائل، اوصاف اور سیرت کو بہ ہیئت غزل منظوم کیا ہے، منقبت نگاری کی روایت کا بھرپور عرفان رکھنے کے ساتھ ساتھ عصری شعری معیارات سے آگاہی کی بہ دولت آپ ممتاز منقبت نگاروں میں شمار کیے جاتے ہیں، آپ کے دونوں شعری مجموعوں میں حصۂ مناقب موجود ہے بام ایجاب میں ۱۵ مناقب ہیں جب کہ بادصبا کی خوشبو میں ۱۱ مناقب شامل ہیں۔ البتہ دونوں مجموعوں میں مناقب کی ترتیب تقریباً ایک سی ہے، یعنی سب سے پہلے اہل بیت پاک کی بارگاہ میں مناقب پیش کی گئی ہیں بعد ازاں اولیائے کرام کی شان میں مناقب نذر کی گئی ہیں، مناقب اولیا کا یہ سلسلہ قطب ربانی، محبوب سبحانی، غوث صمدانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی المعروف غوث الاعظم علیہ الرحمہ کی منقبت سے آغاز ہو کر شاعر ممدوح کے والد و مرشد گرامی قطب الاقطاب حضرت صوفی سید نواب علی شاہ رضی اللہ عنہ پر مختتم ہوتا ہے، درمیان میں حضرت علی الہجویری المعروف داتا گنج بخش، سلطان الہند خواجہ غریب نواز، مخدوم صابر کلیری، امیر ابو العلاء اور سلطان الاولیا خواجہ حسن میاں علیہم الرحمۃ کی شان میں منقبت کے نذرانے پیش کیے ہیں۔

آپ کی مناقبِ اہلبیت کے مضامین قرآن و احادیث مبارکہ سے مستنبط ہیں جو آپ کے وسیع مطالعہ کے غماز ہیں آپ نے ان مناقب میں اہل بیت اطہار کے لیے اپنی محبت، مودت اور جاں نثاری کا ذکر کیا ہے، آپ کی عمدہ تراکیب ان نفوس مطہرہ کے فضائل میں وارد احادیث و آثار کی ترجمان ہیں اور تلمیحاتی حسن سے مالا مال ہیں جیسے مولائے کائنات علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی مناقب میں باب شہر علم، فاتح خیبر، شیر خدا، صاحب ذوالفقار جیسی تراکیب صداقت بیان اور عدم مبالغہ

کی ترجمان ہیں، سیدہ خاتون جنت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی مناقب میں آپ کا لہجہ مؤدب، انداز مہذب، لفظیات مطہر اور آہنگ منکسر ہے، ان کی شان میں نظم کردہ تینوں مناقب تسلسل، روانی اور بلاغت کی شہ کار ہیں، آپ نے سیدہ کائنات کو ملکۂ کن فکاں، نازش این وآں، صداقت بیاں، سیادتوں کا انتخاب اور فضیلتوں کی کتاب جیسے با ادب القاب سے مخاطب کیا ہے، سیدنا امام حسن علیہ السلام کی دونوں مناقب کی ردیف ایک ہی ہے البتہ بحر، وزن اور قافیہ مختلف ہے، ان مناقب کا تازہ اسلوب، نادرہ کاری اور معنویت لاجواب ہے، امام حسین علیہ السلام کی عظمت وشان اجاگر کرتی ہوئی پانچوں مناقب عقیدت نگاری کی عمدہ امثلہ ہیں راحت جان فاطمہ، عرش مرتبہ، دبلیز عزم وہمت، وارث تاج انما، معدن عطا، فاتح دشت کربلا، امام الاولیا، عزم جہاں گیر، گل باغ زہرا جیسی تراکیب ان مناقب کی لفظی تزئین اور معنوی تبیین کا باعث ہیں، اولیائے کرام کی مناقب میں آپ نے درجہ بہ درجہ ان معظم ومکرم شخصیات کے فضائل وخصائص اور کرامات کو اپنا موضوع بنایا ہے، آپ کی عقیدت نگاری میں تغزل، شعریت اور موسیقیت سے پیدا ہونے والی جذاب کیفیت دامن کش قلب و جاں ہے۔ چند اشعار مناقب پیش ملاحظہ ہیں۔

مولا علی کے سایۂ رحمت میں جب سے ہوں
ہر اک قدم پہ ظل ہما میرے ساتھ ہے

فلک مآب تری آرزو کے طائر ہیں
بلندیوں کے امیں تیرے خواب ہیں زہرا

ترے خیال کا غازہ ہے جس کے چہرے پر
چمک رہی ہے وہی زندگی امام حسن

شبیر کے نقوش قدم نے نیا خطاب
صحرائے کربلا کو "چمن زار" کا دیا

اے مری موج ادھر مجھے لے چل
جس کنارے ہیں حضرت نواب

مجیب الحسن مجیب کے دوسرے شعری مجموعے بادصبا کی خوشبو میں نعت و مناقب کے علاوہ حصۂ غزلیات بھی ہے جس میں ۲۷ غزلیات شامل ہیں۔ آپ کی غزلیات کا سرمایہ ابھی کمیت کے اعتبار سے کم سہی لیکن کیفیت کے لحاظ سے موقر و معتبر ہے، "بادصبا کی خوشبو" کی غزل نہ تو فلسفے کی وادی میں سرگرداں ہے اور نہ مفروضوں کے جنگل میں بھٹکتی ہے بلکہ شاعر ممدوح نے اپنے ذاتی اور کائناتی تجارب کو نظم کیا ہے، آپ کی بہاریہ شاعری فکری بھی ہے اور مشاہداتی بھی، آپ کے ذہنی افق پر طلوع ہونے والے افکار آپ کی وسعت علمی اور کثرت مطالعہ سے مستنیر ہیں، آپ کی غزل فردیت سے اجتماعیت کی جانب سفر کرتی محسوس ہوتی ہے جس کے ہر ہر پڑاؤ پر احساسات کے ایسے الاؤ روشن ہیں جو روشنی، حرارت اور گرمی حیات سے عبارت ہیں۔

مجیب الحسن صاحب کا شعری کینوس نہ صرف وسیع ہے بلکہ نئے انوکھے رنگوں اور اجلے مناظر سے مزین ہے، اس کینوس پر آپ نے زندگی کو تصویر کیا ہے، زندگی کے رنج و غم، مسرت و انبساط، فتح و شکست، آمد و رفت الغرض حیات بے ثبات

کے بیشتر پہلو جز و غزل بنائے ہیں آپ کی غزل بے جا لفاظی اور تصنع آمیز کلمہ بندی سے پاک ہے، آپ کی غزل کی زبان شستہ اور اسلوب شگفتہ اور شیریں ہے، پامال مضامین سے انحراف اور تازہ سخنی آپ کے اسلوب کا خاصہ ہے، بڑے سے بڑے مصائب و آلام کے ذکر پر بھی آہنگ میں یاسیت، درشتی اور تلخی نہیں آنے پاتی، اگر ہر سحر طوق بلا پہن لے اور ہر شام ردائے غم اوڑھ لے تب بھی آپ کی فکر ملبوس رجا سے مزین رہتی ہے، رنج و بلا کی آندھیاں بھی امید کے ان چراغوں کو بجھا نہیں سکتیں، زندان شب میں اجالوں سے رابطے، سفاک صحرا میں ابر کا وجود، بغیر پھول کے خوشبو کا احساس، اندھیرے کے کترے ہوئے پر بھی رجائیت کے استعارے ہیں یہ رجائیت عزم، حوصلہ اور زندگی کو جینے کی امنگ پیدا کرنے اور زنجیر حوادث کی کڑیاں کھولنے کی طاقت رکھتی ہے۔

ہزار اپنا ہنر آزمائیں آخر کار
بس ایک لو ہر اندھیرے کے پر کترتی ہے

غزل کا ذکر آتے ہی رومانویت، حسن و جمال اور عشقیہ جذبات تخیل نواز ہوتے ہیں، مجیب الحسن کی غزل میں رومانویت کے عناصر بھی جا بہ جا موجود ہیں لیکن آپ کی غزل کی رومان پرور فضا تہذیب کے سائے سائے چلنے کی وجہ سے سطحیت سے پاک ہے اور خاص تاثر رکھتی ہے آپ نے مضامین غزل کو رکاکت و ابتذال کے گڑھے میں گرنے نہیں دیا بلکہ محبت اور عشق کے لطیف جذبات کو غایت درجہ لطافت کے ساتھ نظم کیا ہے مثالاً دو شعر ذیل میں پیش کیے جا رہے ہیں، خوش ذوق اور صاحب مطالعہ قارئین کو باد صبا کی خوشبو میں ایسی بہت سی مثالیں ملیں گی۔

باد سحر خموش تھی جاگتی تھیں سماعتیں
میرے لبوں پہ رقص میں حرف تھے عرض حال کے

ایسا طوفان بلا خیز ہے اس کا انداز
بے طناب آج مرا خیمۂ جاں ہوتا ہے

جناب مجیب نے بہ قول فیض۔

''اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا''

کے مصداق محض عشق و محبت کی بہ جائے انسان کے جملہ مسائل کو اپنا موضوع سخن بنایا ہے انسان کی فطرت، اس کے آلام روزگار، سامان مسرت و نشاط، شعوری و لاشعوری تمناؤں اور ترجیحات کو ایک ماہر نفسیات کی طرح بیان کیا ہے، آپ کی غزل عصری اقدار کے قدم بہ قدم سفر کرنے کی بہ دولت متحرک، دل کش اور زندگی سے بھرپور ہے، عصری مسائل کا ادراک اور سماجی شعور کا وفور آپ کے بیشتر اشعار سے مترشح ہے، آپ کے اشعار میں بے چہرگی، ہجوم بے دلی، دیوار انا، اپنی ہی ذات کی اسیری، گلوبل وارمنگ، فلک بہ دوش عمارات، جہان دگر کی دریافت، ابلیسی سیاست، تعصب اور فرقہ بندی جیسے مسائل کا ذکر بھی موجود ہے۔

فلک بہ دوش عمارات روک لیتی ہیں
کہاں کبھی مرے آنگن میں دھوپ اترتی ہے

چاہتے ہی نہیں ابلیس سیاست کے مجیب
مسئلہ کیسے تعصب کا یہاں حل ہو گا

چوں کہ حقیقت اور خیال انسانی زندگی کے دو مختلف پہلو ہیں، انسان حقیقت کی دنیا میں تو زندگی بسر کرتا ہی ہے ساتھ ہی اس کے خیال و خواب بھی اسے اپنے حصار میں جکڑے رکھتے ہیں، شاعر بہ نسبت دیگر لوگوں کے ارفع قوت متخیلہ اور دقیق شعور کے باعث اس حقیقی دنیا کے متوازی ایسی خواب کی بستی بساتا ہے جو نہ صرف اس کی تمناؤں کا مظہر ہوتی ہے بلکہ ہر قاری و سامع اسے اپنی ناتمام تمناؤں اور نا آسودہ خواہشوں کی تصویر جانتا ہے اور یوں ایک آواز لاتعداد آوازوں کی بازگشت بن جاتی ہے مگر یہ کمال ہر سخن ور کا نصیب نہیں، جناب مجیب الحسن کی شاعری بھی فسانہ و خیال اور حقیقت کا امتزاج ہے، آپ کی غزل نہ تو مجرد تخیل ہے کہ الف لیلوی داستان کا گمان ہو اور نہ ہی سپاٹ بیانیہ ہے کہ اخبار نویسی کی طرح لطافت سے یکسر خالی ہو بلکہ آپ کی غزل میں تخیل اور حقیقت کا توازن اور اہل ذوق کے تلذذ کے لیے شعری حلاوت ہر جگہ قائم و دائم ہے۔

جناب مجیب الحسن کی غزل میں آئینہ اور عکس کے الفاظ وسیع استعاراتی اور علامتی معنوں میں استعمال ہوئے ہیں، آئینہ سچ، وضاحت اور شفافیت کی علامت ہے، آئینہ حقیقت نگر ہوتا ہے، اشیا کے حسن و قبح بعینہ دیکھتا اور دکھاتا ہے لیکن جھوٹ اور خود پرستی کی دلدل میں دھنسا ہوا آج کا انسان سچ دیکھنے اور حقیقت کا سامنا کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا، کیوں کہ وہ اپنی نگاہ کے آئینے میں اپنی مرضی کے عکس دیکھنا چاہتا ہے، آئینے سے کترانے والی چشم دراصل اپنا سامنا کرنے سے گریزاں ہے ایسے میں اگر کوئی اس کے سامنے آئینہ رکھ دے تو وہ اپنا سامنہ لے کر رہ جاتا ہے، مجیب صاحب کے نزدیک آج کے تہذیبی کش مکش کے دور میں ہر شخص کو آئینے کی اشد ضرورت ہے، مجیب الحسن کی غزل میں آئینہ تنہائی کے ساتھی کے معانی میں بھی استعمال ہوا

ہے، بدخصلت شخص کو نیک خو بنانے کی کوشش کو آپ نے سنگ کو آئینہ کرنے سے تعبیر کیا ہے، کئی اشعار میں آپ آئینہ خانۂ ماضی میں گم گشتہ وقت کے عکس تلاش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

مجیب الحسن صاحب کی تخلیقی قلم رو میں شاعری کے علاوہ عمدہ نثر پارے بھی موجود ہیں جن کا مطالعہ فرحت انگیز ہے، آپ ایک ماہر نثار اور انشا پرداز ہیں، آپ کی نثر دوٹوک، بے ساختہ، واضح اور صریح ہے، ابہام و تعقید، تکلف اور حشو و زوائد نام کو نہیں، آپ کے نثر پاروں میں علمی متانت اور تجزیاتی صداقت کے ساتھ لطافت اور حسن ادا کے عناصر بھی موجود ہیں، آپ کی اکثر نثری نگارشات حسب ضرورت تاریخی و مذہبی حوالوں سے مزین ہونے کی بہ دولت وقعت و اعتبار رکھتی ہیں چوں کہ اس موجز مقالے کا بنیادی جزو خانقاہ نوابیہ عزیزیہ کی شعری روایت کا ذکر ہے لہٰذا وابستگان خانقاہ ھٰذا کی نثری فتوحات کا ذکر ان شاء اللہ کسی دوسری جگہ کیا جائے گا۔

# انجم کلیمی نوابی

آپ کا اصل نام شیخ محمد الیاس اور تخلص "انجم" ہے، اپنے استاذ و والد محترم کلیم الہ آبادی سے نسبت کی بنا پر "کلیمی" کہلاتے ہیں اور مرشد کامل و اکمل قطب الاقطاب حضرت صوفی سید نواب علی رضی اللہ عنہ سے نسبت و ارادت کی وجہ سے "نوابی" کے لاحقے سے سرفراز ہوئے، آپ کا تعلق ایک علمی و ادبی گھرانے سے تھا، آپ کے والد کلیم الہ آبادی معتبر اور قادر الکلام شاعر تھے جو مشہور شاعر جناب منیر الہ آبادی کے شاگرد تھے، آپ نے اپنے والد گرامی کی سرپرستی میں اپنے شعری و ادبی سفر کا آغاز کیا اور انہیں کی تربیت کے سائے میں وادیِ سخن کی منازل طے کرتے رہے، آپ نے رنگ سازی و نقاشی کا پیشہ اختیار کیا مگر ساتھ ہی سخن سازی، لفظی نقاشی اور شعری صناعی کا مشغلہ بھی بھرپور طریقے سے جاری رہا، آپ کی طبیعت میں جذب و کیف کا غلبہ تھا اکثر سفر میں رہتے تھے، آپ نے ملک و بیرون ملک کے کئی اسفار کیے اور ایک عرصہ کویت، ریاض اور مدینہ شریف میں قیام فرمایا، آپ قطب الاقطاب حضرت صوفی سید نواب علی شاہ رضی اللہ عنہ کے چہیتے اور لاڈلے مرید تھے، آپ اکثر اسلامیہ بیکری (ممبئی) اپنے مرشد ذی وقار سے ملاقات کی غرض سے تشریف لایا کرتے تھے، آپ کو اپنے پیر و مرشد کی خاص نگاہ لطف و کرم حاصل تھی، مرشد کامل کے سایۂ لطف و کرم میں آپ کا جذبۂ عشق و محبت اور ملکۂ شعر گوئی ارتقا پذیر ہوا اور آپ کے سرمایۂ سخن میں غزل کے ساتھ ساتھ نعت و مناقب کا بھی خوب اضافہ ہوتا گیا۔

ممتاز شاعر و ناقد جناب شارق عدیل اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

''انجم کلیمی نوابی غزل قبیلے کے ایک ایسے باوقار معتبر شاعر ہیں جنہیں شاعری وراثت میں ملی ہے ان کے والد کلیم احمد کلیم الہ آبادی ایک کہنہ مشق شاعر کی حیثیت رکھتے ہیں، اور آپ نے ابتدائی شعری تربیت اپنے والد ہی کے سائے میں حاصل کی ہے اور آج تک اسی کی روشنی میں شعری رہ گذر پہ سفر کر رہے ہیں اور اس سفر میں ان کے لیے جو سب سے اہم ہم سفر کی حیثیت رکھتے ہیں وہ ہیں ان کے پیر و مرشد حضرت الحاج صوفی سید نواب علی شاہ حسنی صاحب جن کا آستانہ عالیہ موضع قاضی پور شریف ضلع فتحپور میں مرجع خلائق ہے جو ان کی شعری اور مذہبی زندگی کے لیے ایک ایسے پل کی مانند ہیں جس کے دونوں کناروں پر علم و عرفان کی برسات ہوا کرتی ہے''۔

انجم کلیمی نوابی کے تمام تر شعری نمونے منتشر اور غیر مطبوعہ صورت میں تھے اور قریب تھا کہ وقت کا دست بے قدر ان بکھرے ہوئے جواہر کو ضیاع کے سپرد کر دیتا۔ **حضرت نور** نے نہایت محنت و جاں فشانی سے انجم کلیمی کے بکھرے ہوئے کلام کو یکجا کیا، انجم کلیمی کی بیاض کے بعض اوراق کہنگی کے باعث شکستہ تھے، بعض مقامات پر کچھ حروف و الفاظ بوسیدگی کی نذر ہو چکے تھے، حضرت نور نے نہایت عرق ریزی سے ان الفاظ کو دریافت کر کے انہیں اصل متن سے ہم آہنگ کیا اور اسے

''آتش گل'' کے نام سے ترتیب دیا، حضرت نور کی ہی کد وکاوش کے باعث انجم کلیمی کا کلام اور نام آج بھی زندہ ہے اور آپ نوابی شعرا میں اپنی اعلیٰ پائے کی شاعری کی وجہ سے ممتاز مقام کے حامل ہیں، انجم کلیمی نوابی کا شعری مجموعہ ''آتش گل'' ایک حمد، گیارہ نعوت، پانچ مناقب اور اسی ۸۰ غزلیات پر مشتمل ہے، جو 2017 میں آستانہ عالیہ نوابیہ قاضی پور شریف سے شائع ہوا۔ آپ کے دستیاب کلام کی روشنی میں آپ کی شاعری کا صنف وار تجزیہ پیش کیا جارہا ہے۔

آتش گل انجم کلیمی کی عقیدہ نوائی اور غزل سرائی پر مشتمل مجموعہ کلام ہے، آپ نے غزل میں جہاں عصر حاضر کے احوال شکستہ کی منظر نگاری کی ہے وہیں نعت میں ان احوال کی اصلاح کے لیے استغاثہ بھی پیش کیا ہے، غزل میں دلوں کی ویرانی کا ذکر کر کے نعت میں دیار نبی کی فضاؤں کو باطن کے خالی پن کا علاج قرار دیا ہے، یعنی آپ کی شاعری میں لطف اندوزی کے علاوہ فکر انگیزی کا عنصر بھی موجود ہے اور ایک سخن ور کے لیے معراج فن بھی یہی ہے کہ نہ صرف آلام عصر کا ذکر کرے بلکہ ان سے نجات کی ترکیب بھی واضح کرے۔

انجم کلیمی نوابی نے تقدیسی شاعری کے ذریعے طہارت فکر اور حرمت فن کا سامان کیا ہے، جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ نعت گوئی کا ذوق آپ کو خانقاہ نوابیہ عزیزیہ سے عطا ہوا اور مرشد کامل کی نگاہ توجہ نے آپ کے فن شاعری کا رخ عقیدت نگاری کی جانب موڑ دیا، یوں آپ کا طائر فکر غزل کے ساتھ ساتھ نعت و مناقب کی پر کیف فضاؤں میں بھی محو پرواز رہنے لگا، معروف شاعر و نقد نگار جناب یاور وارثی عزیزی نوابی لکھتے ہیں۔

"انجم کلیمی کی روحانی پرورش خانقاہ نوابیہ ابوالعلائیہ قاضی پور شریف ضلع فتح پور میں ہوئی۔ یہیں ان کو عشق رسول ﷺ کا جام جہاں نما پلایا گیا۔ حضور صوفی سید نواب علی شاہ صاحب قدس سرہ العزیز کے سلسلہ بیعت سے منسلک ہو کر جناب انجم کلیمی پتھر سے ہیرا بن گئے اور ہیرے کو جس زاویے سے بھی دیکھیے عشق رسول اکرم ﷺ کی چھوٹ پڑتی نظر آئے گی۔ چوں کہ وہ شاعر تھے قلم ان کے ہاتھ میں تھا اس لیے عشق رسول ذی شان علیہ التحیۃ والثنا حرف ولفظ کا لبادہ اوڑھ کر صفحۂ قرطاس کو اپنی نورانی کرنوں سے معمور کرنے لگا اور وہ نعت کے رسمی شاعر نہ ہو کر باقاعدہ شاعر نعت ہو گئے۔ ان کی نعت ظاہری طور پر نیا پیرہن زیب تن نہ کر سکی لیکن باطنی طور پر عشق رسول ﷺ کا دریا ان کے ہر شعر میں موجزن نظر آتا ہے ان کے ساحل شعر پر جذبوں کی فراوانی نے طرح طرح کے گل بوٹے اگائے ہیں، ان کی نعت کا ہر شعر، شعر کا ہر مصرع، مصرع کا ہر لفظ اور لفظ کا ہر جذبہ عشق نبی کے آبشار میں نہا کر نظارگی کو نئے نئے جہانوں کی سیر کراتا ہے"۔

انجم کلیمی نوابی کی نعوت و مناقب حسن عقیدت، حسن خیال اور حسن نظم کی آئینہ دار ہیں، آپ کی ثنا کاری میں جذبے کی آنچ اور احساس کی لپک صاف دکھائی دیتی ہے، آپ کی نعت کے لفظ لفظ سے مترشح ہوتے ہوئے صداقت کے اجالے اور عقیدت کے حوالے تاثر خیزی کا باعث ہیں، آپ کے مطلع فکر و سخن پر عشق رسول کے

مہ و نجوم روشن ہیں، آپ کی لفظیات و تراکیب اور مضامین میں ندرت، تازگی، تہ داری اور نکتہ آفرینی بھی نظر آتی ہے البتہ سادگی کا عنصر غالب ہے، یہ سادگی آپ کے مزاج کا حصہ بھی ہے اور فکر و فن کا جزو بھی۔ آپ کا نعتیہ کلام تکلف تصنع اور تعقید و تنافر سے مبرا اور غرابت سے پاک ہے، آپ نے اپنے اشعار کو محض خالی خولی لفاظی اور صنائع بدائع کی نمائش گاہ بنانے کی بجائے صدق و اخلاص کی جلوہ گاہ بنایا ہے، آقائے دو جہاں ﷺ کی محبت، حسن و جمال مصطفیٰ ﷺ کی جلوہ سامانی، سیرت طیبہ کی ضیا پاشی، سنت رسول ﷺ کی فیض رسانی، دیار نبی ﷺ کی کشش، حرمین طیبین کی حاضری، غلامی رسول پہ فخر، برکاتِ درود شریف، دل مضطر سے خطاب وغیرہ جیسے مضامین آپ کی ثنا کاری کا بنیادی حصہ ہیں، اس کے علاوہ آپ نے انفرادی و اجتماعی احوال اور استغاثہ کو بھی مدحت کے وسیع مضامین کا حصہ بنایا ہے، متعدد نعوت میں ردیف و قوافی کی مناسبت سے معنیٰ آفرینی اور خیال آفرینی نے آپ کے خلاقانہ جوہر کو عیاں کیا ہے، آپ کی نعت میں عمدہ تشبیہات بھی ہیں اور بلیغ استعارات بھی، تلمیح کی کاری گری بھی ملتی ہے، دیار نبی کا ذکر آپ کی نعت میں دیگر تمام مضامین پر متفوق اور غالب نظر آتا ہے، آپ کے بیشتر کلام شہر نبی کا حسن و جمال، گدائے در رسول کی شان و عظمت، در نبی کو پلکوں سے بہارنے کی تمنا، ذوق حضوری جیسے مضامین سے مزین ہیں، شہر نبی کا ذکر کرتے ہوئے آپ کا لفظ لفظ فرط محبت و عقیدت سے سرشار نظر آتا ہے، آپ کو چہ خیر الوریٰ کی گدائی پہ نازاں ہیں، آپ کے نزدیک علاجِ ظلمت و تیرگی اور درمانِ دردِ فراق یہی ہے کہ آقائے کائنات ﷺ کے شہر پر انوار کے مبارک و مطہر تذکار چھیڑ دیے جائیں، شہر رسول کا تذکرہ آپ کے لفظوں میں روشنی اور اجالے بھر کر انہیں فن کی بلندیوں پر فائز کر دیتا ہے۔

دیار مصطفیٰ کہتے ہیں جس کو
اجالوں کا سمندر وہ گلی ہے

گدائے کوچہ خیر الوریٰ ہوں
مجھے حسرت سے شاہی دیکھتی ہے

چلی جو شہر مدینہ کی نرم نرم ہوا
گلوں کی طرح مہکنے لگا درود شریف

انجم کلیمی کی نعتوں میں ایک خاص سوز وگداز کی کیفیت ملتی ہے عشق رسول کے لاثانی ولافانی جذبے نے آپ کے فکر وخیال اور ادراک ووجدان کو ایسا روشن و تابندہ کر دیا ہے کہ آپ کی ہستی ایک روشن آئینہ کی صورت ہوگئی ہے، جس سے عشق و عقیدت کی احسن صورتیں منعکس ہوتی ہیں، آپ کی ثنا کاری تعظیم وتکریم رسول ﷺ کی آئینہ دار ہے آپ نے آقائے نامدار ﷺ کی مدح وتوصیف کرتے ہوئے نہایت حزم واحتیاط سے کام لیا ہے، آپ کے الفاظ کی نشت وبرخاست اور اسلوب وآہنگ ہر زاویے سے مودبانہ اور عاجزانہ ہیں، مختلف مؤدبانہ القاب وآداب کا استعمال آپ کے نعتیہ کلام کا خاصہ ہے، یہ القاب عظمت وشانِ مصطفیٰ ﷺ اجاگر کرنے اور توقیر و تعظیم کے جذبات انگیخت کرنے کے ساتھ ساتھ کلام کے حسن وخوبی کا باعث بھی ہیں، آپ کی لکھی ہوئی نعتوں میں موجود القاب، نبی اکرم ﷺ کی مختلف صفات کی جانب اشارہ کرتے ہیں یہ القاب متعدد آیات واحادیث سے ماخوذ ہیں جیسے شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین، امام الانبیا، سید کونین، مالک ومختار، سید ابرار، خیر الوریٰ، خیر الانام، شاہ

بطحا اور ختم رسل وغیرہ، ختم نبوت دین متین کی تکمیلیت کا اظہار ہے، رسالت کے اختتام کے بعد کسی نئے پیام اور نئے پیمبر کی ضرورت نہیں رہی، قرآن مجید کی ہدایت اور رسول کریم ﷺ کی سنت و سیرت ہر مسئلۂ حیات کو حل کرنے کے لیے کافی و وافی ہے۔ عصر موجود کے متعدد فتنوں میں ایک فتنہ انکار ختم نبوت بھی ہے، اس فتنے کی بیخ کنی کے لیے اگر چہ نص قرآن اور ہادیِ برحق کے ارشادات بھی موجود ہیں لیکن ادبا وشعرا نے بھی اپنی تحریر و تقریر کے ذریعے اس فتنے کو دبانے اور اس کی سنگینی عیاں کرنے کی کد و کاوش کی ہے انجم کلیمی کی نعتیہ شاعری بھی اس پہلو سے رہنمائی کا فریضہ سرانجام دے رہی ہے، آپ کے کثیر اشعار میں رسول اللہ کی خاتم المرسلینی کا ذکر ہے۔

تری ذات ہے وجہ بنیاد عالم
تری ذات پر ختم پیغمبری ہے

کرم نبی کا چمک رہا ہے ہنوز ماہ تمام جیسا
جہاں میں کوئی نہ آئے گا اب ہمارے خیر الانام جیسا

آپ کی تراکیب آپ کے اعلیٰ ذوق کی غماز ہیں جیسے وجہ بنیاد عالم، سید دو سرا، سوزنِ رحمت، گنجینۂ آگہی، علاج تیرگی، سرِ بامِ سحر، مشعل بزم قمر، دل کے بوسیدہ کھنڈر وغیرہ۔

ابھی ہے انجمن میں ذکر ان کا
ابھی روشن چراغِ آگہی ہے

نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی سیرت طیبہ کائنات عالم کے لیے نمونہ عمل اور اسوۂ حسنہ ہے، نعت گو شعرا مدح وتوصیف کے لیے اوصاف وشمائل کے ذکر کے ساتھ ساتھ حضور اقدس ﷺ کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کا ذکر کرنے کو نعت کا لازمہ خیال کرتے ہیں تاکہ تخیل وتفکر میں جمال رسالت مآب کے ساتھ ساتھ اسوۂ مبارکہ کی تصویر بھی روشن رہے اور عمل کے نئے سے نئے چراغ روشن ہوتے رہیں۔

انجم کلیمی کا طاقِ نعت نگاری بھی سیرت مطہرہ کے بے مثل چراغوں سے روشن ہے، آپ کی نعوت سیرت کے مختلف پہلوؤں کی عکاس ہیں، آپ کے مدحیہ کلام میں جا بہ جا آقائے کائنات ﷺ کی ولادت، رحمت، شفاعت، معجزات، ختم نبوت، خلق عظیم اور لطف عمیم وغیرہ کا ذکر ملتا ہے، اس کے علاوہ آپ کے اشعار قرآنی آیات، احادیث مبارکہ اور سیرت رسول ﷺ کے مضامین ومفاہیم کے ترجمان بھی ہیں۔

صرف ایک مثال پہ اکتفا کیا جاتا ہے۔

جس کا اخلاق سر بسر قرآں
اس شہ انبیا کی بات کریں

(کان خلقه القرآن)

انجم کلیمی کا عشق رسول ﷺ خود سپردگی اور فنائیت کی منزل سے ہم آغوش ہے وہ اپنی متاع علم وہنر، اپنا گھر، مستقر، قلب ونظر غرض ہر ہر شے آقائے دو جہاں ﷺ کے نام کر چکے ہیں، اسی لیے آپ کا دل حرص وطمع سے پاک ہو چکا ہے آپ کا کل اثاثہ عشق رسول ﷺ، مدح رسول ﷺ اور ذکر رسول ﷺ ہے، یاد رسول ﷺ میں محو رہنا، روزن خیال سے عہد رسول ﷺ میں جھانکنا، نبی پاک ﷺ کی

سیرت مقدسہ ومطہرہ کے ذکر سے قلب وروح کو پرنور کرنا ہی آپ کا مشغلۂ حیات ہے۔آپ کی زندگی میں دوستی ،دشمنی،محبت اورنفرت کا پیمانہ رسول اکرم ﷺ کی ذات والاصفات سے محبت ہے۔آپ عاشقان رسول کے دوست اور دشمنان رسول کے دشمن ہیں، یاد نبی آپ کی صبحوں کا اجالااور راتوں کا نور ہے لاریب عشق رسول ﷺ ایسی ہی فداکاری اورجاں سپاری کا متقاضی ہے۔

نکہت گل میں ڈبو باد صبا نوک قلم
لکھ سرِ بام سحر سید کونین کے نام

نظر میں ہے نقش کف پائے آقا
خود اب میری منزل مجھے ڈھونڈتی ہے

ثنائے نبی کی ردا اوڑھو انجم
سر حشر بن کر یہ سایہ رہے گی

**منقبت**،شعرعقیدت کی وہ قسم ہے جس میں شاعران خوش نہاد، خاصان خدائے تعالیٰ سے اپنی قلبی محبت والفت اورعقیدت وارادت کا اظہار کرتے ہیں،اہل بیت اطہار علیہم السلام،صحابۂ کرام علیہم الرضوان اور اولیائے امت علیہم الرحمۃ کی تعریف وتوصیف منقبت کہلاتی ہے،منقبت کی اصل قرآن وسنت سے ثابت ہے جب کہ منظوم منقبت نگاری کے آثار دورنبوی میں بھی ملتے ہیں،منقبت نگاری دراصل "انعمت علیھم" کے پاکیزہ راستے کا ذکر کرکے صراط مستقیم حاصل کرنے کی کاوش کا نام ہے،بلاشبہ اللہ والوں کے ذکر سے جذبۂ اطاعت بیدار ہوتا ہے،قلب و

روح فرحت وتسکین پاتے ہیں اور تعلق باللہ مضبوط ہوتا ہے۔اس کے علاوہ صالحین کی مدح وتوصیف بالواسطہ حمد خدا بھی ہے کہ ہر تعریف کا مصدر ومنبع وہی خلاقِ کائنات ہے۔

انجم کلیمی کی منقبت نگاری آپ کی عقیدتوں کی مظہر ہے نیز سلاست وروانی، شیریں بیانی، حسن معانی وغیرہم جیسے محاسن سے معمور ہے، آپ کی مناقب کا انداز سادہ وسہل مگر پر تاثیر ہے، آپ نے منقبت نگاری میں حفظ مراتب، اعظام واکرام اور عجز و انکسار کو پیش نگاہ رکھا ہے، یہ مناقب "الحب للہ" کی آئینہ دار بھی ہیں اور اہل اللہ سے قلبی وابستگی کی مظہر بھی، آپ نے نواسۂ رسول امام عالی مقام سیدنا امام حسین علیہ السلام، سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، خواجہ محمد حسن میاں اور اپنے پیر ومرشد حضرت صوفی سید نواب علی شاہ علیہ الرحمۃ کی شان میں مناقب پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

مناقب کے چند مندرج ذیل نمونے میرے درج بالا ادعا کے مصدق ہوں گے۔

ہر سمت ظلم و جبر کی کالی گھٹائیں ہیں
دن کربلا کا ہے کہ قیامت کی رات ہے

درمیاں دشت آتش سفاک
امن کا تم ہو گھر معین الدین

مرے سر کو بھی اس سنگ در والا سے نسبت ہے
سبب یہ ہے کہ ہم دوش ثریا میری قسمت ہے

چمک رہے ہیں سر آسماں شہ نواب
زمین والے کہاں اور کہاں شہ نواب

تمہاری شبنم الطاف کی تمنا ہے
پھروں کہاں تلک آتش بہ جاں شہ نواب

کیا کرشمہ ساز تھی چشم عنایت آپ کی
ہم نے دیکھا ہے زمیں کو آسماں ہوتے ہوئے

انجم کلیمی کی غزل گہرائی و گیرائی اور تازگی میں اپنی مثال آپ ہے گمان غالب ہے کہ آپ بنیادی طور پر غزل ہی کے شاعر ہیں، غزل میں بھی آپ کا کمال فن اور ہنر وری بام اوج پر متمکن دکھائی دیتا ہے۔ ساغر وارثی لکھتے ہیں۔

''شاعری حسن و معنی کی تہوں کو کھولنے، اظہار کی اونچائیوں سے نئے آفاق کی تلاش، درون خانہ اور بیرون در، ماضی، حال اور مستقبل اور ان سے ہو کر گزرتے ہوئے لمحات کو ایک وحدت میں باندھنے کا نام ہے شیخ محمد الیاس انجم کلیمی نوابی کی غزلیں ایسا آئینہ ہیں جن میں ہر زمانے کے ہر موسم کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے''۔

انجم کلیمی کے باطن سے اٹھتی ہوئی صداؤں کی بازگشت ان کے تخیل و تفکر سے ہم آمیز ہو کر بہ صورت غزل وجود پذیر ہوئی ہے۔ آپ اپنے محسوسات، گرد و پیش کے احوال، زندگی کی مسرت و بہجت اور رنج و آلام کو غزل کے سانچے میں ڈھال کر ایک گونہ طمانیت محسوس کرتے ہیں گویا آپ کے ہاں غزل کتھارسس اور ذہنی تسکین

کا ذریعہ ہے، آپ غزل کہہ کر اپنا اور دوسروں کا غم غلط کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور آپ اپنے اشعار کے ذریعے آلام روزگار کی الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھانے کی کاوش کرتے ہیں۔

انجم کلیمی کی غزلوں میں افسانۂ غم کی تکمیل کے بعد سماعتوں میں خوشی کے نغمے گھولنے کی نوید بھی ہے۔ اور آندھی میں چراغوں کو جلائے رکھنے کا حوصلہ بھی ہے۔ نیز وہ ذہن و فکر کو حیرانی سے بچائے رکھنے کی بھی تلقین کرتے ہیں۔ ملاحظہ کیجیے۔

سنبھل سنبھل کے بڑھانا قدم سوئے منزل
انا کی راہ میں پل پل زوال رکھا ہے

پھر میں گھولوں گا سماعت میں خوشی کے نغمے
پہلے میں غم کا فسانہ تو مکمل کر لوں

روبرو آئینہ رکھیے تو سجھائی دے گا
رخ کا ہر عیب و ہنر صاف دکھائی دے گا

حوصلہ تم ہی دکھا سکتے ہو ایسا انجم
لوگ آندھی میں چراغوں کو جلانے سے رہے

سوچوں کی رہ گذر سے نکلنا محال ہے
تم اپنے ذہن و فکر کو حیران مت کرو

انسان اپنی خلقت کے اعتبار سے مقام افضلیت پر فائز ہے۔ وہ افضل الخلائق بھی ہے اور مسجود ملائک بھی، اس کی ذات سے بھلائی کے چشمے پھوٹتے ہیں لیکن اگر وہ خیر وصلاح کی بجائے خسارہ وشر اور انسانیت کی بجائے شیطانیت کی طرف مائل ہو جائے تو وہ اسفل السافلین سے بھی پست ہو جاتا ہے۔ گویا انسان کی عظمت ان اقدار کی پاس داری میں ہے جو آدمی کو انسان کرتی ہیں۔ جبھی تو غالب نے کہا تھا:

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

آج کا مادیت زدہ انسان اپنی اقدار و روایات سے دور ہوتا جا رہا ہے مشینوں کے بہ کثرت استعمال نے اسے بھی جذبات سے عاری مشین جیسا بنا دیا ہے۔ اخلاقی اقدار کی بحالی کی کوشش ہمیشہ سے شعرا و ادبا کے موضوعات کا حصہ رہی ہے انجم صاحب نے بھی بیشتر مقامات پر انسان کو اس کی عظمت و رفعت یاد دلا کر دم توڑتی اور پامال ہوتی قدروں کو بہ حال کرنے کا مشورہ دیا ہے تاکہ باہمی رابطے اور اخوت پروان چڑھے اور زمین جنت کا نقشہ بن جائے۔

جلا کے شمع وفا و خلوص اے انجم
شب حیات کی تیرہ شبی تمام کروں

بنی نوع انسان نے ترقی کی اس دوڑ میں کمی اور خساروں کا بھی سامنا کیا ہے، عہد موجود کے انسان کو روز افزوں ارتقا کی بہت بھاری قیمت چکانی پڑ رہی ہے وہ بہ ظاہر بہت پر تعیش زندگی جی رہا ہے مگر بہ باطن خالی مکان کی مثل ویران اور کھنڈر ہو چکا ہے، وہ بھیڑ میں تنہا اور اپنوں میں بیگانہ ہو چکا ہے۔ عیش حیات نے

اسے تحیر و تعجب کی میراث بخشی ہے۔ کرب ماضی، ستمِ حال اور فکر فردا نے اسے نڈھال کر رکھا ہے۔ وہ تیغ ہمت، خنجر عزم اور سپر حوصلہ لیے آلام روزگار سے برسر پیکار ہے۔ انجم کلیمی نوابی کے بیشتر اشعار ترقی یافتہ انسان کے المیوں کی نشان دہی کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ کے کثیر ابیات میں عالمی جبر و استبداد اور ظلم و استحصال کے خلاف احتجاجی رویہ بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ آپ نے اپنے اردگرد انسانیت کی حالت زار کا مشاہدہ کیا ہے اور ان کے دکھ درد کا نشتر اپنے سینے پر اترتا محسوس کیا ہے۔ انسانیت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اوروں کے رنج و غم کو اپنا غم سمجھ کر اس کا مداوا کیا جائے۔ ایثار، محبت، اخوت، مروت، امداد باہمی، احترام آدمیت ہی معراج انسان ہے۔

لب پر ہنسی ہے دل میں چھپائے ہوئے ہے غم
دل میں کبھی کسی کے اتر کر بھی دیکھنا

جس چہرے کو دیکھوں یہ نظر آتا ہے مجھ کو
دل ٹوٹا ہوا ہے تو خیالات شکستہ

گئی ہے جب بھی ادھر سے غموں کی شہزادی
اثر پذیر ہوا میری ذات کا عالم

جس شخص کے عزم سفر کے سامنے راستے سرِنیاز جھکا دیں اس کے لیے راہ کے کانٹے پھول اور مصائب دھول بن جاتے ہیں وگرنہ کم ہمت کو تو راہ کی دھول

بھی غار ہول دکھائی دیتی ہے، انجم صاحب کے احوال سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایک جہاں دیدہ انسان تھے۔ ایک شعر میں خود فرمایا۔

دیکھا جو میرا حوصلہ راہ نے پاؤں پر مرے
اپنا سرِ نیاز بھی کر کے سلام رکھ دیا

لہٰذا انجم صاحب اکثر سفر میں رہتے تھے کبھی اندر کے کرب و جذب کے ٹھہراؤ اور کبھی فکر معاش نے آپ کے قدموں کو راستوں سے جدا نہیں ہونے دیا۔ اور آپ کبھی جانی اور کبھی ان جانی راہوں پر رواں دواں رہے۔ کبھی یہاں تو کبھی وہاں، یقیناً اس جہاں گردی و سیاحی نے آپ کو بہ کثرت تجربات و مشاہدات سے نوازا ہوگا۔ ان تجربات کا عکس آپ کے اشعار غزلیات میں نمایاں ہے۔ آپ نے آئینہ دکھانے والے پہ سنگ باری ہوتے ہوئے بھی دیکھی ہے۔ شیطانوں کو انسانوں کے بھیس میں اور رہزنوں کو رہبروں کے لباس میں ملاحظہ کیا ہے۔ غرور کی تذلیل، ساتھیوں کی روگردانی، کف حبیب میں چھپا ہوا خنجر، وقت کی انگڑائیاں، حالات کی ستم ظریفی کو بہت قریب سے دیکھا اور محسوس کیا ہے ان تجارب دہر نے جہاں آپ کو غم کی سوغات دی ہے وہیں آپ کے آلام دروں کی شدت کم بھی کی ہے۔ کیوں کہ آپ کے نزدیک جیسے لوہا لوہے کو کاٹتا ہے اسی طرح بڑا غم چھوٹے غم کو زائل کرتا ہے۔

ایک آہن سے ہی کٹتا ہے جگر آہن کا
میرا غم ہی مجھے اب غم سے رہائی دے گا

چوں کہ نصیحت، زمانہ شناسی اور تجربات و مشاہدات کا نچوڑ ہوتی ہے لہٰذا انجم کلیمی کی غزلیات کے اکثر اشعار بھی موعظت و نصیحت کا انداز رکھتے ہیں آپ کے ہاں

بہ کثرت وعظ وحکمت بھری باتیں ملتی ہیں۔ان حکم ،مواعظ اور نصائح کا پیرایۂ اظہار ایسا دل نشیں ہے کہ نصیحت نہ تو بار خاطر ہوتی ہے نہ گرانی طبع کا سبب بنتی ہے بلکہ غیر محسوس انداز میں فکر و عمل کو خوب متاثر کرتی ہے۔

یہ ضروری تو نہیں پھول چمن میں ہی کھلیں
اٹھو صحرا میں کوئی پھول کھلاؤ لوگو!

تم جس پہ ہو سوار وہ کاغذ کی ناؤ ہے
نادانیاں اب ایسی مری جان مت کرو

سانپ پھر سانپ ہے پالو گے تو پچھتاؤ گے
دودھ پی لیتا ہے اور زہر اگلتا ہے میاں

اک اعتدال پہ رکھنا خیال کی پرواز
ہوا کے دوش پہ اس کو سوار مت کرنا

پتھروں کا شہر ہے پتھر تو آئیں گے ضرور
ہو سکے تو آپ آئینہ دکھاتے جائیے

انجم کلیمی کا کلام اور اسلوب آپ کی فنی ہنر مندی اور آپ کی شخصیت کی گونا گوں خوبیوں کا غماز ہے۔آپ کی غزلیات آپ کو ایک ایسے سخن ور کی صورت میں

پیش کرتی ہے۔ جو شعر گوئی پر مفتخر ہے۔ جس کا قرطاس وقلم سے تعلق والہانہ اور محبوبانہ ہے۔ جسے زبان وادب اردو کی عظمت و وقار بہت عزیز ہے۔ آپ کی غزلیات میں تنوع اور رنگا رنگی کی کیفیت ملتی ہے۔ کچھ غزلیں آلام جہاں اور غم دوراں پر مشتمل ہیں۔ کہیں رومانویت کی موجیں ہلکورے لے رہی ہیں، کہیں دنیا کی بے ثباتی اور فکر آخرت کے پند ونصائح ہیں۔ کچھ غزلیات خالص نسبتی اشعار پر مشتمل ہیں حتیٰ کہ بعض غزلیات پر مناقب کا گمان گزرنے لگتا ہے کئی غزلوں میں حمدیہ، نعتیہ اور منقبتی اشعار بھی ملتے ہیں یقیناً اس رنگ کی غزلیات خانقاہ نوابیہ عزیزیہ سے تمسک واتصال کے بعد کی تخلیقات ہیں۔

نسبتی رنگ کے چند وجد آور اشعار:

یہی دونوں منزلیں ہیں مری زندگی کا حاصل
کبھی میرے سامنے تو کبھی تیرا آستانہ

جو چہرے سے پردہ ہٹایا کسی نے
جھکایا ہے سجدے میں سر روشنی نے

خود آفتاب ہے میرے حریم جاں میں مقیم
فضول ہے جو چراغوں کا اہتمام کروں

ہر گوشے میں ہے جلوۂ جاناں کی سکونت
پر نور ہوا جاتا ہے گھر دیکھ رہا ہوں

شاعری تخلیق کار کی ذات کا عکس ہوتی ہے اسی کلیے پر عمل کرتے ہوئے میں نے انجم کلیمی کے اشعار کے ذریعے ان کی شخصیت تک کا سفر کیا تو میری ملاقات ایک ایسے مخلص و بے غرض انسان سے ہوئی جو طمع دنیا سے بے نیاز اور ہوس مال و زر سے بری ہے جو اللہ کی نعمتوں پر نہایت مسرور و مطمئن ہے مگر زمانے کی نا قدری و ناشناسی پر متفکر ہے۔ اسے راہ وفا کی مشکلات کو عبور کرنا اور جذبوں کی آبرو رکھنا خوب آتا ہے۔ اس کی تسکین خاطر اور طمانیت قلبی کا عالم یہ ہے کہ اپنے لبوں کو شکوہ رنج والم سے آلودہ نہیں کرتا بلکہ کلمات شکر و امتنان سے مزین رکھتا ہے۔

وقف کر دی ہے صیاد کو زندگی
اب قفس سے مرے بال و پر جائیں گے

تیری عنایتوں سے تو انجم ہے مطمئن
ناقدریِ زمانہ سے تھوڑا اداس ہے

کنارہ کش رہوں دیر و حرم کے جھگڑوں سے
میں اپنی زیست کا ہر لمحہ تیرے نام کروں

انجم کی غزل قصۂ دوراں کے ساتھ ساتھ حکایت جاناں بھی سناتی ہے۔ آپ کی غزل میں حسن و جمال کی دل نوازیوں اور محبوب کی عشوہ طرازیوں کا ذکر بھی موجود ہے۔ آپ محبوب کے حسن و جمال کو آفتاب و ماہتاب سے تشبیہ دیتے ہیں۔ محبوب کی معیت کے بغیر صحن گلشن کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔ وہ محبوب کے ناز اٹھانے کو حسنِ

محبت خیال کرتے ہیں۔اس طرز کے اشعار میں مسرت و بہجت اور امید کی کرنیں بکھری ہوئی محسوس ہوتی ہیں ہجر و فراق کا ذکر کرتے ہوئے بھی آپ کی شاعری مایوسی و واماندگی ظاہر کرنے کی بجائے ضبطِ غم، حوصلہ اور جینے کی امنگ پیدا کرتی ہے۔

زبان رنگ سے تو نے مجھے پکارا تھا
نوائے گل ترے لہجے کا استعارہ تھا

میں شبستاں میں دبے پاؤں چلا آؤں گا
اپنے خوابوں کے جھروکوں کو سجائے رکھنا

قوس کھینچے ہوئے لیتے ہیں وہ انگڑائی ادھر
اور سایہ سا ابھرتا پس دیوار لگے

جناب انجم نوابی کی غزل گوئی کا مکمل استقصا تو نہ ہو سکا۔تاہم چند اشعار مزید پیش کیے جاتے ہیں جو ان کے مشربی جذبات کے مظہر ہیں اور مضامین تصوف و معتقدات سے لبریز ہیں۔

اے کاش سنگ در پہ ترے لے کے جائے شوق
ایسے جھکیں کہ پھر نہ کبھی سر اٹھائیں ہم

میں بھٹک کے رہ نہ جاؤں کہیں منزل طلب سے
مجھے آزما رہا ہے سر راہ یہ زمانہ

تری گلی کا تو ہر گوشہ عکس کعبہ ہے
کہاں رکوع کروں میں کہاں قیام کروں

درج بالا شعر میں گوشہ ہائے کوچۂ محبوب کو عکس کعبہ قرار دیا گیا ہے۔ اس کی توضیح یوں کی جائے گی کہ کعبہ اصطلاحاً مقام وصل محبوب ہے اور ظہور حق کی ایک جہت ہے۔ درآں حالے کہ مرشد کا وجود معشوق حقیقی کا آئینہ ہوتا ہے تو پھر اس کی گلی عکس کعبہ کیوں نہیں ہو سکتی؟

زاہدان خشک اکثر رندانہ اشعار پر بہ وجہ کم علمی و کور ذوقی معترض ہوتے ہیں۔ انہیں یہ نہیں معلوم کہ صوفیا جو شراب پیتے ہیں وہ کسی دنیوی مے فروش کی دکان پر نہیں ملتی بلکہ یہ شراب درِ ساقی کوثر سے عطا ہوتی ہے۔ مفتاح الغیب شرح دیوان بو علی شاہ قلندر میں لکھا ہے کہ اصطلاح تصوف میں بہ الفاظ صاحب جواہر غیبی ساغر و پیمانہ سے مشاہدۂ انوار غیبی اور ادراک مقامات عالیہ مراد ہیں۔

اسی طرح ساقی سے مراد شیخ طریقت اور میخانہ خانقاہ کو کہتے ہیں۔ انجم کلیمی فرماتے ہیں۔

جب بھی مے خانے میں ساقی نے بلایا ہے مجھے
اوج پر اپنا مقدر نظر آیا ہے مجھے

حشر کے دن بھی نہ اترے گا مرے سر سے خمار
اس نے آنکھوں سے وہ پیمانہ پلایا ہے مجھے

جب شاعر کا محبوب کوئی مجازی محبوب نہیں ہوگا تو اس کے حسن کی تعریف یوں کی جاتی ہے کہ چاند بھی اس کی چوکھٹ پر اتر کے اس سے روشنی کی خیرات لینے آتا ہے۔

تیرے چہرے سے بھلا چاند کو نسبت کیا ہے
چاند کو میں تری چوکھٹ پہ اترتا دیکھوں

درج ذیل شعر میں اپنی کور نگاہی کا اعتراف کر کے ظاہر بینوں پر کیا لطیف طنز کیا ہے۔

ہم کو ہے اپنی کور نگاہی کا اعتراف
منظر ترے جمال کے ہی بحر و بر میں ہیں

اور اس شعر کو قارئین کے ذوق پر چھوڑا جاتا ہے کہ وہ اسے نعت کا شعر سمجھیں یا منقبت کا یا پھر خالص غزل کا۔

وہ صرف جن کو دیکھ لے ان کو شفا ملے
اوصاف کچھ الگ ہی مرے چارہ گر میں ہیں

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رضی اللہ عنہ نے کشف المحجوب میں مقام رضا کی دو صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ پہلی صورت رضائے مولا ہے اور دوسری رضائے بندہ۔ کتاب سے ایک عبارت نقل کی جاتی ہے۔

''رضائے بندہ کا خلاصہ یہ ہے کہ منع و عطا کی دونوں حالتوں میں اس کا دل یکساں رہے اور جلال و جمال کے نظارے میں اس کا باطن مضبوط و مستحکم رہے خواہ اسے منع سے روک دیا جائے یا عطا میں آگے بڑھایا جائے ہر حالت میں اس کا قیام مساوی ہو خواہ آتش جلال میں جلے یا لطف و جمال کے نور سے منور ہو، اس کے دل میں جلنا اور منور ہونا یکساں ہو کیوں کہ اس کا ظہور حق تعالیٰ کی طرف سے ہے اس کی جانب سے جو کچھ بھی آئے اچھا ہی ہوتا ہے''۔

اسی مضمون کو جناب انجم نوابی نے کس خوبی سے منظوم کیا ہے۔

اپنی ہستی کو مٹا یار پہ قرباں ہو جا
شکوۂ درد نہ کر عشق کی رسوائی ہے

تجربات کو مجسم کرتے ہوئے شعریت کے معیار کو قائم رکھنا اور فن کے پیمانوں پر پورا اترنا ریاضت کا متقاضی ہے۔ انجم کلیمی کے اشعارِ غزل کا بہترین معیار آپ کی مشاقی اور خلاقی کا عمدہ مظہر ہے۔ آپ کے ہاں فنی اغلاط اور فکری لکنتوں کی عدم موجودگی آپ کی شاعری کو معیاری شاعری کے خانے میں فٹ کرتی ہے۔ بلاشبہ انجم کلیمی کی شاعری راہ سخن کے پیچ وخم سے گزر کر منزل اعتبار پا چکی ہے۔

رہ سخن میں بڑے پیچ و خم تھے اے انجم
ہماری کاوش و کد کامیاب ہو کے رہی

# یاور وارثی عزیزی نوابی

امیر الشعرا غلام اسماعیل المتخلص بہ "یاورؔ وارثی" ۱۶ جولائی ۱۹۵۷ء کو شہر کانپور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم غلام ابراہیم المتخلص بہ افسر ناروی ایک پختہ کار اور پرگو شاعر تھے جنہیں داغ دہلوی کے جانشین حضرت نوح ناروی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ یاور وارثی نے اپنی شاعری کی ابتدا غزل سے کی اور حضرت وقار برکاتی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ بعد ازاں حضرت علامہ الحاج حق بنارسی کی شاگردی اختیار کی اور ان کی وفات تک انہیں سے فیض یاب رہے۔

یاور وارثی ایک کہنہ مشق اور جدید شاعر ہیں آپ نے اپنی عمر عزیز کا لمحہ لمحہ چمن زار ادب کی آبیاری میں صرف کیا ہے اور اس کی روش روش کو گل ہائے رنگ رنگ سے مزین کیا ہے۔ آپ نے تقدیسی و بہاریہ ہر دو انواع کی شاعری کو اپنے اسلوبِ تازہ کے لمس سے شگفتگی سے ہم کنار کیا ہے۔ آپ نے متنوع شعری ہیئتوں میں خوش سخنی کے جوہر دکھائے ہیں جیسے غزل، رباعی، قطعات، مخمس، مسدس وغیرہ، شاعری کے علاوہ آپ کی اعلیٰ پائے کی نثر نگاری بھی معروف و مقبول ہے۔ آپ کا نثری اسلوب سلاست و صراحت جیسے اوصاف سے متصف ہونے کی بنا پر ادبی حلقوں میں خاصا مقبول ہے۔ اب تک آپ کے متعدد تقدیسی و بہاریہ شعری مجموعے اشاعت پذیر ہو چکے ہیں۔ آپ کے اشاعت شدہ شعری مجموعوں کی تفصیل ذیل میں درج ہے۔

- برگ ثنا (مجموعۂ نعت ۱۹۹۸ء)
- وجدان (مجموعۂ نعت ۲۰۱۱ء)
- پس غبار (مجموعۂ غزلیات ۲۰۱۵ء)
- محراب (مجموعۂ نعت ومناقب ۲۰۱۶ء)
- پھولوں کی خوشبو (مجموعۂ نعت ومناقب ۲۰۱۷ء)
- شب چراغ (مجموعۂ غزلیات ۲۰۲۰ء)
- ابرنوازش (مجموعۂ تضامین برکلام نور ۲۰۲۰ء)
- جوئے گہر (مجموعۂ غزلیات ۲۰۲۱ء)
- ارادت (مجموعۂ مناقب ۲۰۲۱ء)
- ثبات (مجموعۂ مضامین ۲۰۲۱ء)

جناب یاور واثی کئی اعلیٰ پائے کی ادبی کتب کے مرتب بھی ہیں۔آپ کے ترتیب کردہ مجموعہ ''وسلموا تسلیما'' (۲۰۱۸) سے ہی استاذ محترم سید محمد نور الحسن نور نوابی عزیزی کے شعری مجموعات کی طباعت کے سلسلہ کا آغاز ہوا،''وسلموا تسلیما'' حضرت نور کے سلامیہ کلاموں پر مشتمل مجموعہ ہے اسی سال آپ نے حضرت نور کا مجموعہ نعت و مناقب ''قلزم نور'' مرتب کیا اور حال ہی میں آپ نے اپنے مؤقر تنقیدی مضامین اور ناقدین کے تاثرات پر مشتمل ایک مجموعہ ''ثبات'' ترتیب دیا ہے۔

یاور وارثی عزیزی نوابی کی تقدیسی شاعری حمد ومناجات اور نعت ومناقب جیسے جلیل موضوعات پر محیط ہے آپ نے تمام تر تقدیسی اصناف کو نہایت مہارت، سلیقے اور ہنر مندی سے عصری شعری معیار اور جدید طرز سخن سے ہم آہنگ کیا ہے۔ یاور وارثی نے اپنی شاعری کا آغاز بہاریہ شاعری سے کیا تھا اور ایک عرصہ دشت غزل

کی سیاحی میں گزارا تھا۔ پھر یاور صاحب کی قسمت نے یاوری کی اور ان کا طائر فکر باغ مدحت نبی میں مستقل پرواز کرنے لگا اور اسے بھی مقدر کی سرفرازی کہیے کہ طبع و اشاعت کی منازل طے کرنے والا آپ کا پہلا شعری مجموعہ شعر عقیدت کی اہم صنف ''نعت'' پر مبنی تھا جو بہ نام ''برگ ثنا'' ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا۔ اس نعتیہ مجموعے کی اشاعت نے آپ کے سر پر ''شاعر نعت'' کا تاج زریں سجا دیا۔ دمِ سید نواب علی شاہ سے ارادت مندی نے سفر نعت کو سبک تر کر دیا اور تسلسل سے آپ کے مجموعہ ہائے نعت و مناقب منظر عام پر آنے لگے۔ آج آپ پانچ مؤقر مجموعہ ہائے نعت و مناقب کے خالق ہیں اور ہند و پاک کے معروف و مقبول ثنا کاروں کی اولیں صف میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔

بلاشبہ عقیدے اور عقیدت کی شاعری میں حمد اور مناجات کی مرکزیت و افضلیت مسلم ہے کیوں کہ خالق کی حمد و توصیف وہ جذبہ ہے جو انسان کے فکر و احساس میں ودیعت کر دیا گیا ہے۔ ہر لمحہ رب ذوالجلال کو پکارنا، ہر شے میں اسی کی جستجو کرنا، ہر مصیبت میں اسی سے استعانت کرنا اور ہر کرب میں اسی سے طالب نجات ہونا انسان کی فطرت سلیمہ کا حصہ ہے یعنی حمد و تحسین اور طلب مدعا، اقرار عبودیت اور اظہار حاجت کے وسیلے اور ذریعے ہیں۔ یاور وارثی کے تمام شعری مجموعے حمدیہ اور مناجاتیہ کلاموں سے آراستہ ہیں۔ آپ کی حمد و مناجات نگاری آپ کی قوت متخیلہ کی رفعت، شعری استعداد و لیاقت، قرآن و حدیث کے عمیق مطالعے اور خالق کائنات کی قدرت کاملہ کے مشاہدے کی عکاس ہے۔ آپ تحمید خدائے حمید کے نئے زاویوں، عرض احوال کے انوکھے قرینوں اور طلب کے سلیقوں سے خوب واقف ہیں۔ آپ کی تازہ سخنی نے حمد و مناجات کے شعری سرمائے کو افکار جدیدہ سے گراں بہا کیا

ہے۔خالق کائنات سے راز و نیاز اور اس کی نعمتوں پر اظہار تشکر کرتے ہوئے یاور وارثی کا خلاق ذہن ایسے جذاب مناظر تراشتا ہے جن کی اثر انگیزی قارئین کو اپنے حصار میں لے لیتی ہے یہ تاثر پردۂ ذہن سے لب اظہار تک پہنچتے ہی الحمدللہ کی صدائے دل نواز میں تبدیل ہو جاتا ہے اور یوں شاعر کا احساس، تجربہ اور حال اجتماعیت اور آفاقیت سے ہم کنار ہو جاتا ہے۔ یاور وارثی نے کثرت سے ایسے کامیاب شعری تجربے کیے ہیں جن میں وہ اپنے قاری کو اپنے باطنی تجربات کے ہم قدم کیف و وجد کے جہانِ بہجت نشاں تک لے گئے ہیں۔

وہی ہے انجمن دل میں ہم نشیں میرا
اسی کی دستکیں سنتا ہوں اپنے پہلو میں

سلگتے آفتاب کو تو ابر کا نقاب دے
بکھیرتا ہے دشت میں خزانۂ بہار تو

ہاتھ پر رکھ دے ہوا کوچۂ آقا کا غبار
یوں جو ہو مجھ کو مقدر پہ غرور آ جائے

یاور وارثی کے تقدیسی ادب کی قوت تاثیر ذہن و روح کے تیرہ و تاریک خانوں کو بقعۂ نور بنانے اور قوت عمل پیدا کرنے کی صلاحیت سے مالا مال ہے۔ بالخصوص آپ کی نعتیہ شاعری عقیدت کی خوشبوؤں اور نسبت کے رنگوں سے معمور ہے جن کا لفظ لفظ عشق و اعتقاد اور اطاعت و انقیاد سے عبارت ہے۔آپ کی نعت نگاری سرحدوں کے حصار سے نکل کر اپنا آپ منوانے میں کامران رہی ہے۔تین سال قبل

آپ کا ایک مجموعہ نعت ''سحاب نور'' کے نام سے پاکستان سے شایع ہوا تھا جس نے ادبی و مذہبی حلقوں میں خوب دھوم مچائی ۔اسی مجموعے کی بہ دولت پاکستانی ادبا و شعرا آپ جیسی عبقری و نابغہ شخصیت سے متعارف ہوئے ۔آج آپ کی نعت نگاری ہندو پاک کے ناقدین کی توجہ کا مرکز ہے ۔کثیر اصحاب تحقیق وتنقید نے آپ کی نعت نگاری کو اپنی معتبر آرا اور معتمد تبصرہ جات کے ذریعے درجۂ اعتبار پر فائز کیا ہے تو ثیق ادعا کی خاطر چند مختصر اقتباس پیش ہیں۔

ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی نے یاور وارثی صاحب کی نعتیہ تخلیقات کو ان الفاظ میں خراج محبت پیش کیا ہے۔

''حضرت یاور وارثی مملکت شعر وسخن کے بے تاج بادشاہ ہیں اور دنیائے شاعری میں وہ عبقریت کے مقام پر فائز ہیں انہوں نے حمد ،نعت، منقبت، غزل، نظم ہر صنف پر طبع آزمائی کی ہے اس خوبی کے ساتھ کہ ان کی غزل کا مطالعہ کریں تو لگتا ہے کہ غزل ہی ان کا خاص میدان ہے اور ان کی نعتوں کو پڑھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ہر صنف سے منہ موڑ کر صرف نعت پر ہی اپنی توانائی صرف کی ہے۔۔۔۔یاور وارثی کا عصری اصناف کے ساتھ نعت کو حرز جاں بنانا اس بات کی کھلی علامت ہے کہ ان کے دل کا گوشہ گوشہ حب نبی ﷺ کے پاکیزہ جذبات سے معمور ہے اور ان کے عشق و عرفان کے رشتے کس قدر استوار و مضبوط اور والہانہ ہیں''۔

(ثبات مجموعہ مضامین ص 21،20)

ڈاکٹر شہزاد احمد مدیر حمد و نعت کراچی پاکستان کی رائے میں۔

"یاور وارثی ایک پہلو دار شخصیت کے حامل ہیں۔ وہ ایک شگفتہ نثر لکھنے والے ادیب، کامیاب غزل گو اور نفیس ذوق رکھنے والے نعت گو ہیں لیکن میرے نزدیک سب سے بالاتر ان کی یہ خوبی ہے کہ وہ بادۂ حب نبی سے سرشار اور ایمان کے سوز و ساز سے معمور دل رکھتے ہیں۔۔۔۔۔ جناب یاور وارثی کا یہ نعتیہ مجموعہ خالی خولی شاعری نہیں ہے۔ عشق رسول ﷺ میں دل گداز کی صورت گری ہے۔ ان کی نعتوں میں لفظ و بیان کی چمک دمک اور اسلوب کی فسوں کاری سے کہیں زیادہ صداقت احساس کی روشنی پھیلی نظر آتی ہے"۔

(عکس مجموعہ مضامین ص 31 از سید محمد نور الحسن نور)

یاور وارثی کے سفر نعت گوئی کے موردِ اول "برگ ثنا" کے نعتیہ کلاموں سے ادبیت، شعریت اور نفاست مترشح ہے۔ اشعار کی بست و بنت اور الفاظ کی درو بست شاہد ہے کہ اس مجموعے کی اشاعت تک آپ کی شعر گوئی پختگی اور ہنر مندی کی منزل پر فائز ہو چکی تھی۔ یہ مجموعہ آپ کی خوش عقیدگی و خوش سلیقگی کا غماز ہے۔ برگ ثنا کی نعتوں میں تغزل، حسن کاری، معنیٰ آفرینی اور جملہ بدیعی لوازمات کا رچاؤ ملتا ہے۔ پہلا نعتیہ مجموعہ ہونے کے باوصف نعت کے شرعی تقاضوں کی احسن بجا آوری لائق صد ستائش ہے۔ برگ ثنا کی اشاعت کے بارہ سال بعد آپ کا دوسرا مجموعہ نعت وجدان منظر عام پر آیا، یہ مجموعہ نعت آپ کی بارہ سالہ مزاولت و مداومت کا خلاصہ ہے۔ وجدان کے نعتیہ کلاموں میں رنگ تغزل اور جدت طرازی اوج پر دکھائی دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ نامانوس اور مشکل بحور میں کامیاب شعری تجارب، اساطین

فن کی زمین غزل میں نعت کاری، ترکیب سازی اور فکر جدید جیسے اوصاف نمایاں ہیں۔ تلمیحی حسن کے حامل اشعار کی کثرت ہے نیز اس مجموعہ میں نعتیہ تضامین و رباعیات کا شمول آپ کے ہیئتی تجربات کا ثبوت ہے۔ اس مجموعہ کے زیادہ تر کلام طویل اور متوسط بحروں میں ہیں۔ مختصر بحریں بھی کہیں کہیں موجود ہیں۔ وجدان کی ایک سوگیارہ وجدآور نعتوں میں مدح وتوصیف کے دیگر مضامین کے ساتھ ساتھ دیار سرور دیں کا ذکر اور حاضری کی تمنا کے مضامین غالب ہیں اس مجموعہ کی بیشتر ردیفیں انہیں لفظیات سے مرکب ہیں جیسے مدینے سے چلے، طیبہ کا، شہر میں ان کے، مدینے میں رہے، مدینے سے چلی، ان کے حضور، دیکھوں، مدینے چلیے وغیرہ۔ آپ کی یہ التجائیں قبولیت سے مشرف ہوئیں اور آپ ''وجدان'' کی اشاعت کے بعد حرمین شریفین کی حاضری سے فیض یاب ہوئے۔ اور یہ مجموعہ صاحب مدحت کے حضور پیش کرنے کی سعادت بے بہا آپ کا مقدر ہوئی۔ اس حاضری بارگاہ کے نقوش آپ کے تیسرے مجموعہ نعت و مناقب ''محراب'' میں واضح دکھائی دیتے ہیں۔ ''محراب'' کے کثیر نعتیہ کلام ان کیفیات، واردات اور اثرات سے مملو ہیں جو آپ کے قلب و روح پر مرتسم ہوئے۔ آپ نے حرمین شریفین کی حاضری کا لمحہ لمحہ اپنے وجدان سے صفحۂ قرطاس پر منتقل کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ محراب کی نعت و مناقب میں آپ کے لفظیاتی نظام کا ارتقا واضح دکھائی دیتا ہے۔ یہ مجموعہ تنوع موضوعات، تراکیب سازی، وسعت مضامین، صنائع لفظی اور بدائع معنوی کے محاسن سے آراستہ ہے۔ زیادہ تر زمینیں طبع زاد ہیں۔ جو آپ کی جولانیِ فکر کی مظہر ہیں۔ محراب میں حمد، مناجات اور نعت کے علاوہ مناقب کی موجودگی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جملہ تقدیسی موضوعات کو نظم کرنے کی کاوش کی ہے۔ کچھ غیر مردف کلام موجود ہیں۔ اس

مجموعہ میں طویل، متوسط اور قصیر ہر طرح کی بحروں میں عمدہ تقدیسی نمونے اصابت فکر وصلابت فن کا ثبوت ہیں۔ ''حریم نعت'' میں یاور وارثی ایک ایسے شاعر کی صورت میں جلوہ گر ہوئے ہیں جن کی شاعری سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ لطف و کرم کے حصار میں منازل اوج طے کر رہی ہے۔ اس مجموعہ کے نعتیہ کلام آپ کی زبان دانی وخوش بیانی اور طویل مشق وممارست پر دال ہیں۔ حریم نعت کے اشعار تاثیر میں بے مثال ہیں نیز کیفیات وواردات کے بہترین عکاس ہیں۔ یہ اشعار مضامین کی مناسبت سے تشکر وتقدیر، بہجت وفرحت، دل گیری ورقت، کیف وسرور، حرمان و حسرت، وصل ولقاء، ہجر وفراق جیسے افکار واحساس کی ایسی عکس بندی کرتے ہیں کہ قارئین مذکورہ کیفیات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ مضامین کی نزاکت، لہجے کی حلاوت اور اسلوب کی نفاست کی ہم آمیزی ہر جگہ اپنی بہار دکھا رہی ہے یہ مجموعہ ندرت لفظی کے ساتھ ساتھ ردیف میں نادرہ کاری کی عمدہ مثالوں سے بھی معمور ہے جیسے میں اور میرا گھر، مرے حق میں، کے سبب، نکلا، برسوں سے، مٹ جائیں، دل کے اندر ہے، ہاں اور کیا، کیسے کہوں، سوچو ذرا وغیرہ۔ علاوہ ازیں مضامین کا تنوع، وسعت اور ارتقا کا وصف آپ کے ممتاز مقام کا تعین کرتا ہے۔

یاور وارثی کی نعت کاری کا عمیق وغائر جائزہ آپ کی سال ہا سال کی پیہم ادبی ریاضت کو عیاں کرتا ہے، آپ کم وبیش تیس سال سے حجرۂ نعت میں مقیم ہیں۔ آپ نعت کو جز وقتی مشغلہ سمجھنے کی بہ جائے نعت گوئی میں گزارے ہوئے لمحات کو زندگی کے خزانے کا حاصل گردانتے ہیں۔ نعت گوئی نے آپ کی قسمت کو ایسا بیدار اور قلب و نظر کو ایسا روشن وتابناک کر دیا ہے کہ آپ کی خلوت گاہ دل بھی روشنی کا استعارہ بن گئی ہے۔ آپ کے نزدیک نعت اصل ہنر اور فخرِ سخن ہے آپ کا طائر فکر، شہپر نعت کی

بدولت ہی تصورات مصطفیٰ ﷺ تک رسائی حاصل کرتا ہے۔لہٰذا آپ نعت کو مخزن نور اور نعت میں برتے جانے والے الفاظ کو شمس و قمر کہہ کر پکارتے ہیں آپ نے اپنے نعتیہ اشعار میں جا بہ جا نعتیہ شاعری سے اپنے قلبی لگاؤ اور روحانی علاقہ کا ذکر کیا ہے اور اس مشغلے کو باطنی ترقی کا سبب بتایا ہے آپ کے اکثر ابیات فن نعت کی اہمیت، صنف نعت کی افضلیت اور نعت کی مختلف جہات کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔آپ کی نعت نگاری کلاسیکیت کے جملہ اوصاف، زبان دانی کے اعلیٰ معیار اور ندرت آہنگ کا مرقع ہے۔آپ کا منفرد اسلوب آپ کا تشخص بلکہ تخصص بن چکا ہے۔ آپ نے نعت میں اچھوتے مضامین متعارف کروائے ہیں۔اس کائنات آب وگل میں آقائے دو جہاں ﷺ کی مرکزیت کو مختلف شعرا نے مختلف پیرائے میں پیش کیا ہے یاور وارثی نے اس موضوع کے لیے جو مضمون تراشا ہے وہ بالکل اچھوتا، منفرد اور الگ ہے آپ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو اخبار کائنات کی مرکزی خبر کہہ کر نادرہ کاری اور مضمون آفرینی کے جوہر دکھائے ہیں۔اسی طرح نبی کریم ﷺ کے گرد صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے جھرمٹ کو اکثر شعرا نے چاند اور ہالے یا چاند اور تاروں سے تشبیہ دی ہے جب کہ یاور وارثی اس موضوع کی ادائیگی کے لیے چاند ستاروں کے ساتھ ساتھ کعبہ اور طواف کرنے والوں کی تشبیہ بھی لائے ہیں۔غور کیا جائے تو یہ تشبیہ پہلی تشبیہ سے اقویٰ ہے یعنی صحابۂ کرام ہمہ وقت یوں آقائے نامدار ﷺ کے گرد جمع رہتے تھے جیسے کعبہ کے گرد طائفین کا ہجوم گردش میں رہتا ہے۔طائفین کے طواف اوراذکار واوراد کے باوجود ان کی نگاہ ان کے مرکز یعنی کعبہ سے نہیں ہٹتی اسی طرح اصحاب نبی علیہم الرضوان خواہ بزم حضور میں حاضر ہوں یا اپنی دیگر معاشی، معاشرتی و دینی ذمہ داریاں نبھا رہے ہوں، ہر وقت اپنے آقا و مولا کی ذات والاصفات ان

کے دھیان میں رہتی تھی۔اس کے علاوہ شاخوں سے ٹوٹے ہوئے پتوں کا نقوش قدم مصطفیٰ کی تلاش میں بکھرنا، شاخ گل جذبات کا سرشاری کی اوس میں بھیگنا، بہ وقت نزع اسم نبی لبوں پہ آتے ہی موت کا لب حیات چومنا وغیرہ سب ندرت مضامین کی مثالیں ہیں جو کلام یاور وارثی میں بہ کثرت موجود ہیں۔

زمین روتی ہے یاد رسول میں یاور
میں آبشار کو اک چشم تر سمجھتا ہوں

جب بھی کسی بوجہل نے دیکھا ان کی طرف
پھول نے فطرت بدلی اور شمشیر ہوا

سیرت طیبہ سے دوری کا مضمون کس انوکھے انداز میں نظم کیا ہے ملاحظہ ہو۔

آگے بڑھ کر مخمل و کمخواب قابض ہو گئے
محو ذہنوں سے جو آقا کی چٹائی ہو گئی

چوں کہ یاور وارثی بنیادی طور پر ایک محنت پسند ادیب ہیں۔لہٰذا آپ فن نعت گوئی کے ارتقا اور فروغ کے لیے تمام ادبی وسائل کو احسن انداز میں بہ روئے کار لائے ہیں۔آپ نے مدح سرور کونین ﷺ کے ضمن میں طبع زاد زمینوں کے علاوہ کلاسیکی شعرا کی زمینوں سے بھی خوب استفادہ کیا ہے۔جن کے نمونے آپ کے تمام مجموعہ ہائے نعوت و مناقب میں جا بہ جا ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ہیئتی تجربات، بحور کا انفراد، صنائع بدائع کا استعمال، حسی پیکروں کی تشکیل، تجسیم سازی الغرض جملہ وسائط کے ذریعے آپ نے نعت کو ادبی صنف بنانے کی مہم میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ بالخصوص آپ کے نعتیہ کلاموں کی بحریں اس دعویٰ کا روشن ثبوت ہیں کہ آپ کا رہوار

فن سنگلاخ وادیوں میں چلنا پسند کرتا ہے۔آپ کے ہر مجموعے میں کثیر نعتیہ کلام ایسی بحور میں ہیں جن میں نعتیہ تو کجا بہاریہ کلام کہنا بھی بہت بڑی ہمت کا کام ہے۔مگر یاور وارثی نے نہ صرف ان بحروں کو کامیابی سے عبور کیا ہے بلکہ شعر کی روانی، سلاست اور شعریت کہیں متاثر نہیں ہونے پائی اسی طرح آپ مختلف بحروں کے زحافات وفروعات سے کامل آگاہ ہیں۔زحافات کو نہایت عمق، باریک بینی اور ہنر مندی سے نظم کرنا علم عروض پر آپ کی مکمل دست گاہ کا ثبوت ہے۔شاعری میں رباعی کو مشکل ترین صنف خیال کیا جاتا ہے۔یاور صاحب نے نہ صرف نعتیہ رباعیاں کہی ہیں بلکہ پورے کا پورا کلام رباعی کے اوزان میں کہہ کر اپنی فنی مہارت اور ہنروری کا ثبوت پیش کیا ہے۔علاوہ ازیں مثنوی کی بحر میں بھی بیشتر نعتیہ کلام کہے ہیں۔آپ نے چھوٹی، متوسط اور طویل ہر طرح کی بحور میں نعت شریف کہنے کی سعادت حاصل کی ہے بالخصوص بڑی بحر میں شعر کہتے ہوئے حشو وزوائد سے دامن بچانا کار سہل نہیں اکثر بڑے بڑے شعرا کی شاعری بھی اس سقم سے مبرا نہیں ہوتی لیکن یاور وارثی کی طویل بحروں کے نعتیہ کلام حشو وزوائد سے مبرا اور سلاست کے شہ کار ہیں،نعت کاری میں بحور کی ایسی بوقلمونی اور نظم اشعار میں ایسی احتیاط پسندی خال خال ہی نظر آتی ہے۔

مری شاخ طلب پہ کرے جو کرم
تو عطا اسے طیبہ کا پھول کرے

مہتاب ہے کیا؟ شمار اس کا کیا؟
خورشید فلک ترا گداگر ہے

یاور وارثی کی نعتیہ شاعری میں تصنع اور تکلف نام کو نہیں بلکہ ایک خاص برجستگی اور بے ساختگی ہے جو قارئین کے دل و دماغ پر گہرے نقوش ثبت کرتی ہے۔ یاور وارثی صاحب کی نعت کی اثر پذیری کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ آپ نے معجزات مصطفیٰ ﷺ کو کثرت سے نظم کیا ہے۔ معجزات کا ذکر عظمت و جلالت مصطفیٰ ﷺ دلوں میں جاگزیں کرتا ہے اور شعر کی تاثیر سوا ہو جاتی ہے۔ آپ نے معجزات کو کبھی استعاراتی و تشبیہاتی انداز میں، کبھی تلمیحی و اشاراتی پیرائے میں اور کبھی بیانیے کی صورت نظم کیا ہے یہ آپ کی وسعت مطالعہ اور قدرت سخن کی دلیل بھی ہے آپ کے نظم کردہ چند معجزات یہ ہیں، حضور کے مسکرانے سے گمشدہ سوئی کا مل جانا، پتھروں کا کلمہ پڑھنا، سورج کا پلٹنا، انگلیوں سے چشمے جاری ہونا، معراج، قرآن، درختوں کا چلنا وغیرہ۔ آپ کی نعت کا تشبیہاتی اور استعاراتی نظام، تراکیب کی ساخت اور جدید معانی کی آفرینش آپ کی نعت کی نمایاں خصوصیت ہیں۔ آپ نے ایسے الفاظ کو بھی نعت میں برت کر ان میں جان ڈال دی ہے جنہیں شاعری میں کم کم ہی دیکھا گیا تھا۔ جیسے بگولے، کھنڈر، ببول، صور، شوالے، گٹرگوں، کرائے دار اور اخبار وغیرہ۔ یہ ایسے لفظیات ہیں جنہیں نعت میں برتنے کا خیال بھی شاید و باید ہی کسی کو آئے۔ یاور وارثی نے ان لفظیات کو نعت سرا کر کے وقعت و توقیر عطا کی ہے اور ان بہ ظاہر بے مایہ الفاظ سے نعت کے نادر مضامین تراشے ہیں۔ چند امثلہ پیش ذوق ہیں۔

دیارِ سرورِ دیں کی جناں بر دوش راہوں پر
گٹرگوں کرتا پھرتا ہر کبوتر جاں سے پیارا ہے

سربراہانِ ممالک دیں سلامی مجھ کو
میرے ہمراہ ترے کوچے کا مزدور جو ہو

چمک کے برق کی صورت ہزار ہا خامے
نبی کی نعت سر دامن سحاب لکھیں

آپ کے بیشتر نعتیہ لفظیات رنگ، روشنی اور خوشبو سے عبارت ہیں۔ بالخصوص آپ نے مختلف رنگوں کو نوع بہ نوع کیفیات و جذبات کے مظہر کے طور پر نظم کیا ہے۔ آپ کے نعتیہ کلام میں سبز رنگ زرخیزی، خوش حالی اور اذن حضوری کے معنوں میں مستعمل ہے۔ زرد رنگ کو آپ ہجر طیبہ، خزاں اور رنج والم سے تعبیر کرتے ہیں۔ سیاہ رنگ کو ظلمت، سفاکی والم ناکی جب کہ گلابی رنگ کو خوش خلقی وخندہ روئی کے معانی میں استعمال کیا ہے۔ آپ نے اپنے اشعار نعت میں عربی لفظیات، قرآنی اقتباسات اور احادیث مبارکہ کو صحت تلفظ کے ساتھ نظم کیا ہے جیسے رب ھب لی، اغثنی یا رسول اللہ، ورفعنا لک ذکرک، لاحول ولا قوۃ الا باللہ، والعصر، لاریب وغیرہ۔

ابرنوازش یاور وارثی کے نعتیہ اثاثے میں ایک منفرد اور اہم اضافہ ہے۔ اس مجموعہ میں یاور وارثی نے اپنے ہم عصر شاعر سید الشعرا سید محمد نور الحسن نور نوابی عزیزی کے پچیس تقدیسی کلاموں میں تضمین نگاری کے جوہر دکھا کر ان کی عظمت شعری کا بھرپور اعتراف کیا ہے۔ جن میں ایک حمد، ایک مناجات اور تئیس نعتیہ کلام شامل ہیں۔ اپنے ہم عصر شاعر کی تخلیقی رفعت اور شعری وجاہت کو تسلیم کرنا اور اسے خراج تضمین پیش کرنا صاحب کتاب کی ادبی دیانت اور بلند کرداری پر دال ہے۔ یاور وارثی کی تضامین فکری، فنی اور اسلوبیاتی ہر سہ اعتبار سے درجہ کمال پر فائز ہیں آپ تضمین نگاری کی تکنیک اور تضمینی ہیئتوں کا خوب علم رکھتے ہیں آپ نے مثلث، مربع، مخمس اور مسدس کی ہیئتوں میں تضامین کی ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ چند اشعار یا مصرعے نہیں بلکہ پورے کے پورے کلاموں کی تضمین کی ہے آپ کے

تضمینی مصرعے خوب چست، محکم اور رواں ہیں۔آپ نے ان تضمینات کے ذریعے حضرت نور کے کلام کی تحسین، تشریح اور توسیع کا حق ادا کر دیا ہے کثیر مقامات پر یاور وارثی کے مصرعے اور حضرت نور کے اشعار کا ربط ایسا کمال ہے کہ وہ ایک ہی شاعر کا کلام محسوس ہوتا ہے دراصل تضمین کی معراج بھی یہی ہے کہ کلام مضمّن تضمین کے ساتھ مل کر یک جان ہو جائے اور دو تخلیق کاروں کی ایک مجموعی تخلیق صناعی کا نمونہ بن جائے۔ یاور وارثی کا یہ کارنامہ اردو کے تضمینی ادب کا اہم حصہ ہے۔

اے شہر مدینہ کے چمکتے ہوئے مہتاب
تو چاہے تو کھل جائے مقدر کا ہر اک باب
تو چاہے تو ہو جائیں مہیا سبھی اسباب
"پھر شوق ہوا در پہ ترے آنے کو بے تاب
پھر وقت ہوا راہ کی دیوار اٹھنی"

یاور وارثی کی مناقب نگاری معیار و مقدار کے اعتبار سے قابل رشک ہے۔ آپ کے مناقب کے دو مستقل مجموعے "حدیقۂ رنگ" اور "ارادت" کے نام سے شایع ہو چکے ہیں۔ حدیقۂ رنگ اہل بیت اطہار علیہم السلام، صحابہ کرام علیہم الرضوان اور اولیائے عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کی مناقب پر مشتمل ہے آپ نے صاحبان مناقب کی سیرت و کردار، خصائل و فضائل اور اخلاق و آداب پر روشنی ڈالی ہے۔

"ارادت" یاور بھائی کی حسن ارادت و عقیدت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔اس مجموعہ میں آپ نے اپنی متاعِ سخن اپنے دادا پیر بانیِ سلسلہ عالیہ نوابیہ حضرت الحاج صوفی سید نواب علی شاہ علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں نذر کی ہے۔صاحب سجادہ پیر طریقت و رہبر شریعت حضرت صوفی سید محمد عزیز الحسن شاہ صاحب مدظلہ کی عادت مبارکہ بھی یہی

ہے کہ وہ اپنی مناقب کی بہ جائے اپنے مرشد و والد گرامی حضرت صوفی سید نواب علی شاہ علیہ الرحمۃ کی مناقب پڑھنے اور سننے سے زیادہ خوش ہوتے ہیں۔ اور بانیِ سلسلہ نوابیہ حضرت صوفی سید نواب علی شاہ علیہ الرحمۃ کے منقبت نگاروں کو بہ نظر استحسان دیکھتے ہیں۔ لہٰذا یہ مجموعہ مناقب یاور صاحب کی رضائے مرشد حاصل کرنے کی کاوش بھی ہے اور اکابرین سلسلہ کو یاد رکھنے کی روایت کا تسلسل بھی ہے اور مقتضائے ارادت بھی یہی ہے کہ اکابر سلسلہ کو یاد رکھا جائے۔ نیز ہر مرید اپنے مرشد کی بارگاہ میں اپنے ذوق و ظرف کے مطابق تحفہ پیش کرتا ہے یہ مجموعہ بھی یاور صاحب کی جانب سے ہدیۂ عقیدت و محبت ہے۔ آپ کی غایت درجہ محبت آپ کے قلم سے بہ صورت ''ارادت'' ظہور پذیر ہوئی ہے۔

ارادت سے پہلے آپ نے اپنے مجموعہ نعت و مناقب ''محراب'' میں بھی نعتیہ کلام کے علاوہ اپنے دادا پیر حضرت صوفی سید نواب علی شاہ علیہ الرحمۃ کے حضور ۴۱ مناقب کا نذرانہ پیش کیا تھا۔ مگر ارادت اپنی نوعیت کا پہلا مجموعہ ہے یاور صاحب کو یہ اولیت حاصل ہے کہ آپ کو اپنے دادا پیر کی بارگاہ میں ان کی مناقب کا پہلا مستقل مجموعہ پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

یاور وارثی عزیزی نوابی صاحب کے منقبتی اسلوب نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ ہمہ جہت شاعری کی قابلیت رکھتے ہیں آپ کی منقبت نگاری شعری محاسن اور صناعی و خلاقی میں کسی بھی طرح غزل وغیرہ سے کم نہیں ہے۔ آپ کی منقبت جملہ شعری لوازمات، جدید ادبی معیارات اور توانا فکری رجحانات کی غماز ہے۔ نیز عقیدے کا حسنِ اظہار، تغزل اور ایمائیت کا جمال، الفاظ و مفاہیم کی تہہ داری، بیان و بدیع کی پر کاری وغیرہ جیسے محاسن کی آئینہ دار ہے۔ آپ کی مناقب میں افکار و احساسات بولتے

ہوئے اور عقیدت وجد کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔آپ خاصان خدا کے آداب، تعظیم وتکریم اور حفظ مراتب سے بہ خوبی واقف ہیں اور آپ نے ان آداب کو اپنی مناقب میں ملحوظ رکھا ہے۔

یاور وارثی عزیزی نوابی ایک ہمہ پہلو شاعر ہیں اور غزل گوئی میں بھی طاق ہیں آپ کے تین مجموعہ ہائے غزل ادبی منظر نامے کی زینت بن کر سند قبول سے سرفراز ہو چکے ہیں ان مجموعوں نے آپ کو ایک خوش فکر شاعر، محنت پسند ادیب، حق گو سخن ور اور وسیع المطالعہ شخصیت کے طور پر متعارف کروایا ہے۔آپ کی غزل آپ کے تجربات کا نچوڑ، مشاہدات کا عکس اور قلبی کیفیات کا اظہاریہ ہے آپ کی غزل فکر، لفظ، معنیٰ ہر لحاظ سے تازگی کی آئینہ دار ہے۔یہ اذہان پر ثقالت اور بوجھل پن طاری نہیں کرتی۔بلکہ سہولت سے دل و دماغ میں سما جانے کا ہنر رکھتی ہے۔اس میں ایجاز و اقتصار بھی ہے اور تفصیل وتطویل بھی، آپ کی فکری وسعت اور فنی ندرت قطرے کو دریا کرنے کا ہنر بھی جانتی ہے اور دریا کو کوزے میں بند کرنے کی قدرت وصلاحیت بھی رکھتی ہے۔بہ قول حقانی القاسمی۔

> ”یاور کا فکری کینوس وسیع ہے۔ان کے چراغ جستجو سے نادیدہ اور بے نشاں جزیرے تک روشن ہو گئے ہیں۔ان کے مشاہدات، تجربات اور مطالعات کی وسعت نے ان کے تخلیقی اظہاری تجربوں کو تازگی اور وسعتوں سے ہم آغوش کیا ہے۔خواجہ الطاف حسین حالی نے شاعری کے لیے تخیل، تفحص الفاظ اور مطالعہ کائنات کی جو شرطیں رکھی ہیں یاور کی شاعری ان شرطوں سے بھی آگے کا سفر کرتی ہے اور خذف نچوڑ کر آب گہر نکال لاتی ہے“۔

یاور وارثی کا اسلوب آپ کی غزل کی پہچان بن چکا ہے۔آپ کے لب و لہجے کی شگفتگی، طرز اظہار کی طرح داری اور جدید لسانی محاورات کا استعمال آپ کو معاصرین میں نمایاں تخلیق کار کے طور پر پیش کرتا ہے۔آپ نے اپنے تخیل کے جہانِ طلسمات کو تصویر کرتے ہوئے تناسب و توازن کو پیش نظر رکھا ہے۔آپ کے یہاں متخیلات سے لفظیات تک شعر کے جملہ فکری وفنی لوازم میں ایک خاص تناسب پایا ہے بالخصوص محاکات نظم کرتے ہوئے آپ کا شعری پیکر کو تصویری پیکر سے ہم رشتہ کرنا قابل ستائش ہے۔تلمیح کی نزاکت، معانی کی گہرائی و تہ داری، الفاظ و مفاہیم کا ربط، ردیف و قوافی کی پیوستگی توازن کی مظہر ہے۔آپ کی غزل علم بیان و بدیع اور بلاغت کے جملہ اصولوں کی بہ طریق احسن پابہ جائی کرتی دکھائی دیتی ہے۔آپ کی غزل کی ایک اہم خوبی رجائیت ہے۔آپ کے اشعار غزل قنوطیت سے مبرا اور اکتئاب و اضطراب سے بعید ہیں بلکہ آپ کی رہ گذار غزل رجائیت کے چراغوں سے روشن اور یقین کی خوشبوؤں میں بسی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔آپ کی غزل میں افکار کی بوقلمونی، لفظیات کی تفہیم نو، مفاہیم کی توسیع، تراکیب کی ساخت و پرداخت، مضامین کا ارتقا، روایت کا استحکام اور جدت کا اہتمام نمایاں ہے۔آپ طرز کہن پر اڑنے والوں میں سے نہیں ہیں۔آپ نے بہ کثرت جدید طرز اظہار اور جدید لفظیات کو برت کر نت نئے اور انوکھے مضامین غزل تراشے ہیں۔مگر اس ندرت نے کہیں بھی شعری حسن اور غزل کے وقار کو متاثر نہیں کیا۔گویا آپ نے جدت کی خاطر کبھی روح تغزل اور شعری نفاست کا سودا نہیں کیا۔آپ نے اپنی غزلیات میں انسانی زندگی کے ہر پہلو کو تصویر کیا ہے۔اور ہر منظر میں جان ڈال دی ہے۔آپ نے ہست و نیست، حزن و سرور، جہل وشعور، سعادت وشقاوت، ارتقا و ابتلا، امید و یاس، ہجر و وصال، محبت و عداوت، جنون وسکون اور قرب و بعد کو شعری پیکر میں ڈھال کر ان کیفیات کو یوں

مجسم کر دیا ہے کہ ان شعر پاروں سے محسوسات و مدرکات متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ مختلف تضادات کے استعمال نے مفاہیم کو خوب نکھار بخشا ہے آپ کی غزل میں گل رخان چمن کے تذکار بھی ہیں اور نہال چمن کاٹنے والوں کا ذکر بھی ہے۔ اس کے علاوہ شفق مآب رہگذر، تیرہ و تاریک کھنڈر، بحر مواج کی سخاوت، سراب کی حیلہ سازیاں، دریچۂ نظارگی، عذاب بے بصری، خیال یار کی تسمہ پائی، آندھیوں کی دستکیں، ہوا کے احسانات وغیرہ جیسے تضادات کے استعمال نے سماں باندھ دیا ہے۔ آپ نے ہر تصویر کے دونوں رخ قارئین کے سامنے پیش کیے ہیں۔ بالخصوص زندگی کا فرحت آمیز پہلو دکھاتے ہوئے جن لفظیات کا استعمال کیا ہے وہ صوتی اور حسی اعتبار سے بھی خوش رنگ و آہنگ ہیں جب کہ زندگی کے آلام کو تصویر کرتے ہوئے آپ کے لفظ بھی خون روتے محسوس ہوتے ہیں۔ آپ نے روئے زندگی کی نقاب الٹتے ہی سراب زار کا مشاہدہ کیا ہے۔ اور جا بہ جا اس سراب کی ہر موجِ بے آب کی نہایت عمدہ تصویر کشی کی ہے۔

شرار تشنہ لبی کو خبر نہیں شاید
جو سامنے ہے وہ موجِ سرابِ دریا ہے

کثیر شعری اثاثے کے حامل شعرا کے یہاں تکرار مضامین کا پایا جانا ایک فطری سی بات ہے لیکن یاور وارثی کی غزلیات کثری تعدد کے باوجود یکسانیت سے مبرا ہیں اور یہ آپ کے کلام کی بڑی خوبی ہے جس کا سبب یہ ہے کہ آپ متعدد پیرایہ ہائے اظہار پر قدرت رکھتے ہیں اور ایک مضمون کو سو انداز میں باندھ کر نیا رنگ اور نیا منظر تراشنے میں ماہر ہیں۔ کہیں استفہام کے پردے میں راز ہائے سربستہ کھولے جا رہے ہیں، کہیں طنز کے نشتر ہیں، کہیں دھیمے سر ہیں، کہیں بلند آہنگی ہے، کہیں تلخ کلامی ہے، کہیں نرم روی ہے الغرض کہیں پردے میں جلوہ اور کہیں جلوے میں پردے کا سماں ہے۔

یاور وارثی کی غزل اگرچہ زندگی کے جملہ حقائق کے گرد گھومتی ہے لیکن ایسا بھی نہیں کہ آپ کی غزل عشق و محبت کے جذبے اور ذکر محبوب سے خالی ہو، یاور وارثی کی رومانویت پیراہن تہذیب اوڑھے ہوئے ہے آپ نے رومانویت کی آڑ میں جنسیت اور عریانیت کا پرچار کر کے سستی شہرت سمیٹنے کی بہ جائے روحِ عشق اور اصل محبت کا ذکر کیا ہے۔ آپ محبوب کی نگاہ معجز نما میں اپنے عشق کا چاند چمکتا دیکھنے کے منتظر ہیں۔ یادوں کے ستاروں میں گھرا ایک چاند چہرہ آپ کے حریم دل کو تابناکی بخشتا رہتا ہے۔ محبوب کی گفتگو سن کر آپ کو دریا کی روانی کا خیال آتا ہے۔ محبوب کے ہر خال و خد کی تصویر آپ کے قلب و ذہن میں محفوظ ہے مگر آپ کا دل آئینہ کبھی حصار ہوس میں مقید نہیں ہوا۔

یاور وارثی نے اپنی غزل میں عناصر اربعہ یعنی آگ مٹی ہوا اور پانی سے نئے استعارے، منفرد تمثیلات، انوکھے تلازمات اور جدید ترکیبات تراشی ہیں۔ آپ کے اشعار میں آگ ایک عنصر حیات بخش بھی دکھائی دیتی ہے اور عامل فساد پرور بھی۔ آپ نے مٹی سے زندگی کی اصل اور اسی میں وجود خاکی کی تحلیل کا ذکر بھی کیا ہے۔ ہوا کی فطرت سفاک کو بھی عیاں کیا ہے اور خوئے سخا کو بھی۔ آپ نے پانی کی ضرر رسانی اور نفع بخشی دونوں کو منظوم کیا ہے۔ آپ کی غزل کا اہم پہلو مناظر فطرت کی عمدہ صورت گری بھی ہے۔ فطری حسن کو لفظوں میں قید کرنا کوئی کھیل نہیں بلکہ یہ فن عمیق مشاہدے اور طویل مراقبے کا متقاضی ہے۔ جب آپ فطرت کے کینوس میں رنگ بھرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ رنگ انہوں نے کسی سے مستعار نہیں لیے بلکہ اپنے مشاہدے سے کشید کیے ہیں اور فن کی آنچ سے پختہ تر کیے ہیں۔ ان رنگوں کی پختگی اور مناظر کی تکمیل یہ بتاتی ہے گویا آپ نے پہروں بیٹھ کر گل و بلبل سے کلام اور صبا کے ساتھ خرام کیا ہے۔ بارہا وادیِ شب طے کر کے دیارِ سحر تک پہنچے ہیں۔ مہ و نجوم

کو ڈوبتے ابھرتے، آسماں کو سحر زار دائے نور لپیٹتے، ہواؤں کو خوشبوؤں سے جام بھرتے ہوئے ملاحظہ کیا ہے۔ جبھی تو آپ کے قلم معجز رقم سے مناظر فطرت کی وہ کہکشاں ابھرتی محسوس ہوتی ہے جس نے آپ کے حصے کے تمام مناظر اجال کر آپ کو خلاق شعرا کی صف اول میں کھڑا کر دیا ہے۔ آپ نے اپنی غزل میں بیشتر ایسے اخلاقی معائب و قبائح کو بھی موضوع سخن بنایا ہے جن کی معاشرے میں موجودگی اخوت و مروت، اتفاق و یگانگت اور امن و سکون کو پنپنے نہیں دیتی۔ آپ کے بعض اشعار ریاکاری، منافقت، اندھی ترقی، نفرت، تخریب کاری اور مادیت پرستی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے محسوس ہوتے ہیں مگر یہ صدا ایسی نہیں کہ محض سمع خراشی کے سوا کچھ نفع نہ دے بلکہ آپ کے پر اثر طرز اظہار نے ان اخلاقی برائیوں کی قباحت اور ضرر رسانی کو اس انداز میں اجاگر کیا ہے کہ سلیم الطبع انسان اپنے قلب و ضمیر کے ایوان میں آپ کی صدا کی بازگشت محسوس کر سکتا ہے۔ چند امثلہ ملاحظہ ہوں۔

**مادیت پرستی:**

اتنی تفصیل میں جانے سے ہے بہتر یہ بتا
کیا پسند آیا اسے شوکت دارائی کہ میں؟

**بدامنی:**

سائبانی کے لیے ہاتھ نہ پہنچا یاور
سنگ آ جاتے ہیں لیکن مرے سر تک اب بھی

**بے حسی:**

یہ سب کھلی ہوئی آنکھیں ہے اک سراب نظر
پکارتے ہو کسے کوئی جاگتا بھی ہے

**قحط الرجال:**

اب کہاں کوئی یوسف ہے بازار میں
اس قدر رونقیں کیوں دکانوں میں ہیں

**تخریب:**

ہر گام پہ تعمیر کروں ایک مکاں میں
پھر سارے مکانوں کو کھنڈر کرتا چلا جاؤں

**انا پسندی:**

وہی حصار انا میں نہیں تھا میں بھی تھا
اگر وہ ہوتا مخاطب تو بولتا میں بھی

**جبر و فساد:**

جلا کے امن کی بستی کو ہاتھ تاپتا ہے
چڑھا ہوا ہے نشہ جس کو حکمرانی کا

دیارِ غزل میں مقامِ انفراد حاصل کرنا بازیچۂ اطفال نہیں ہے یاور وارثی نے کامرانی کی دو رویہ مشکلات سے گھری شاہراہ کو سہولت سے پار کیا ہے آپ کی غزلیات کمیت و کیفیت کے لحاظ سے مسند اعتبار پر متمکن ہیں۔عمر کی چھ دہائیاں طے کرنے کے باوجود آپ کی فکر کہنگی سے پاک،تر و تازہ اور جواں ہے۔آپ تخلیقیت کا سودا سر میں سمائے ارتقا کی نئی منازل کی جانب رواں دواں ہیں۔

# حبیب سرور عزیزی نوابی

حبیب احمد عزیزی نوابی المتخلص بہ "سرورؔ" خانقاہ نوابیہ عزیزیہ کے ان شعرا و ادبا کی قبیل سے ہیں جو تقدیسی شاعری کے ساتھ ساتھ بہاریہ شاعری میں بھی خاصی شہرت رکھتے ہیں۔ آپ کے والد محترم کا اسم گرامی بشیر الدین رحمانی تھا، حبیب سرور نے ۱۹۵۶ء میں نعتیہ اشعار کہہ کر اپنی شاعری کا آغاز کیا۔ ۱۹۵۷ء میں غزل گوئی کی ابتدا کی۔ آپ ابتدا میں علامہ سید حامد علی زیدی حنفی المتخلص بہ شرفؔ رام پوری جیسے شہیر ادب سے اصلاح سخن لیتے رہے۔ علامہ شرف رامپوری، محمود رامپوری کے شاگرد رشید تھے اور محمود رامپوری تلمیذ حضرت داغ تھے لہٰذا حبیب سرور عزیزی کا سلسلۂ تلمذ دو واسطوں سے حضرت داغ دہلوی سے جا ملتا ہے۔ بعدہٗ آپ نے علامہ حق بنارسی ثم کانپوری جیسے کہنہ مشق اور قادر الکلام شاعر کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ واضح رہے کہ حبیب سرور صاحب سلسلۂ عالیہ نوابیہ میں سال ۲۰۰۰ عیسوی میں بیعت سے مشرف ہوئے اور حق بنارسی صاحب کا انتقال ۱۹۹۹ء میں ہو چکا تھا اور سرور صاحب کا بیشتر وہ کلام جو حق بنارسی کا اصلاح کردہ تھا ان کے اہل خانہ کی عدم توجہی کے سبب ضایع ہو گیا تھا۔ یوں بھی سرور صاحب نے سلسلۂ عالیہ میں داخل ہونے کے بعد غزل گوئی تقریباً ترک کر دی تھی اور نعت و منقبت گوئی کو مستقلاً اختیار کر لیا تھا۔ اور حضرت نور سے ہی مشورۂ سخن کرتے تھے۔ اس خانقاہ سے وابستگی کے بعد سرور صاحب تادم آخر حضرت نور سے ہی اصلاح لیتے رہے لیکن کسی بھی مضمون نگار نے اس باب میں

کوئی اشارہ نہیں کیا اور حضرت نور نے بھی تواضعاً سکوت اختیار کیے رکھا۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ان کی چند غزلوں میں جو صوفیانہ رنگ نظر آتا ہے وہ اسی بارگاہ کرم کی عطا ہے۔ ان باتوں کا تذکرہ فقط اس لیے کر دیا گیا ہے کہ سرور صاحب کا حضرت نور سے اکتساب فیض کرنا دستاویزی طور پر دائماً محفوظ ہو جائے۔

حبیب سرور صاحب پیہم محنت و ریاضت اور اساتذہ کی رہنمائی کی بہ دولت جلد ہی شہرت و قبولیت کی منزل سے ہم کنار ہوئے۔ اسے سرور صاحب کی سعادت مندی کہیے کہ نعت رسول ﷺ ہی آپ کے سفر سخن وری کا نقطۂ آغاز بنی۔ مستزاد یہ کہ آپ کا طبع ہونے والا پہلا مجموعہ کلام بھی نعتیہ تھا اور آخری مجموعہ میں بھی نعوت کی بڑی تعداد شامل تھی اور یہ بھی عشقِ نعت و مناقب گوئی کا فیضان ہی تھا کہ اللہ عزوجل نے آپ کا رشتۂ عقیدت و ارادت ایک ایسی خانقاہ سے جوڑا جس کا اختصاص ہی شعر تقدیس کی پذیرائی و فروغ ہے۔ آپ خانقاہ عالیہ نوابیہ کے صاحب سجادہ پیر طریقت، رہبر شریعت، مخدوم ملت حضرت صوفی سید محمد عزیز الحسن شاہ مدظلہ العالی کے دست اقدس پر شرف بیعت سے مشرف ہوئے، خانقاہ عالیہ نوابیہ سے ربط و ضبط اور وابستگی و دل بستگی کیا ہوئی، حبیب سرور کے دل میں بھڑکنے والا شعلۂ عشق روشن تر ہو گیا۔ فیضان نوابی عزیزی کا ابر آپ پر خوب برسا اور آپ کی نعت و مناقب گوئی پروان چڑھنے لگی۔ آپ کا قلم سعادت رقم نامہ ہائے عشق و عقیدت کی ترسیم میں تیز سے تیز رو ہوتا گیا۔ اسی دوران وقتاً فوقتاً آپ کے کئی مجموعہ ہائے کلام منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے۔ حبیب سرور صاحب آخری دم تک خانقاہ نوابیہ اور نعت گوئی سے منسلک رہے۔ آپ کی جاں نثاری و وفا شعاری از اول تا آخر باقی رہی اور آپ نہایت خلوص و جاں فشانی سے خدمت شعر و ادب میں مصروف و مشغول رہے۔ آپ اپنی عمر کے

آخری ایام تک بارگاہ نوابی میں حاضر ہوتے رہے۔ بالآخر ۱۹ نومبر ۲۰۲۰ کو ناتھوپور ہتھگاؤں ضلع فتح پور میں آپ نے داعیِ اجل کو لبیک کہا اور راہیِ ملکِ عدم ہوئے۔ اللہ آپ کی مغفرت فرمائے اور بلندی درجات عطا فرمائے۔ آمین۔

حبیب سرور عزیزی نوابی کے درج ذیل مجموعہ ہائے کلام اشاعت کی منزلوں سے ہم کنار ہوئے۔

- نور مجسم (نعتیہ انتخاب)
- رحمت سراپا (نعتیہ انتخاب)
- نغمات نوابیہ (مجموعہ مناقب)
- رحمت تمام (نعتیہ دیوان)
- چمن زار سخن (شعری مجموعہ)

آپ کے پہلے دو نعتیہ کتابچے "نور مجسم" اور "رحمت سراپا" (۱۹۸۰) اب دستیاب نہیں ہیں۔ نغمات نوابیہ مناقب پر مشتمل مجموعہ ہے یہ مجموعہ مناقب ۱۲ اگست ۲۰۰۱ء میں ناتھو پور شاہ پور ضلع فتح پور سے شائع ہوا، سرور عزیزی نوابی نے اس مجموعہ مناقب کو اپنے مرشد طریقت حضرت صوفی سید محمد عزیز الحسن شاہ عزیز نوابی مدظلہ العالی کے نام سے منتسب کیا ہے اس مجموعہ میں آپ نے دیگر مقتدر ذوات قدسیہ کے علاوہ بالخصوص اپنے دادا پیر شمس العارفین، بدرالکاملین حضرت الحاج خواجہ صوفی سید نواب علی شاہ حسنی، عزیزی، ابوالعلائی علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں مناقب پیش کر کے اپنی الفت وعقیدت کا ثبوت دیا ہے۔ حبیب سرور کا مجموعہ کلام رحمت تمام نعوت خیر الانام پر مشتمل ہے۔ جس کا پہلا ایڈیشن ۲۰۱۱ء میں شائع ہوا۔ دبستان نوابیہ عزیزیہ نے ۲۰۱۹ء میں رحمت تمام کا دوسرا ایڈیشن بہ صورت دیوان نہایت تزک واحتشام سے شائع کیا جس

میں سرور صاحب کی نئی نعوت اور چند مضامین و آراء کا اضافہ بھی کیا گیا۔ آپ کا آخری مجموعہ کلام چمن زار سخن دبستان نوابیہ عزیزیہ پبلیکیشنز نے اگست ۲۰۲۰ء میں شائع کیا۔ یہ مجموعہ کلام متنوع اصناف، ہیئات اور موضوعات پر محیط ہے اور واقعتاً شعر و سخن کا ایسا چمن زار ہے جس میں حمد و نعت کے نہال سرسبز، غزلیات، قطعات اور منظومات کے گل ہائے رنگ رنگ اور عارفانہ کلام کی نکہت جاں فزا منظرِ بہار پیش کرتی ہے۔ اس مجموعہ کلام کی اشاعت کے بعد حبیب سرور عزیزی صرف تین ماہ زندہ رہے مگر اپنی عمر عزیز کے تجربات کا نچوڑ چمن زار سخن کی صورت میں چھوڑ گئے۔

حبیب سرور فن شاعری کی نزاکتوں سے خوب واقف ہیں افکار کو موزوں کرنا اور احساس کو شعریت کے سانچے میں ڈھالنا آپ کو خوب آتا ہے۔ آپ کا کلام آپ کی فکری راستی اور فنی پختگی کا مظہر ہے آپ کے اکثر اشعار آپ کے اخلاص و اعتقاد اور زندگی کے متعلق آپ کے فلسفے کے ترجمان ہیں آپ بنیادی طور پر شاعر نعت ہیں۔ کیوں کہ آپ کی شاعری اسی مبارک صنف سے آغاز ہوئی۔ اور یقیناً یہ ایک بہت بڑا شرف اور عطیہ خداوندی ہے۔ سید الشعرا استاد گرامی قدر حضرت سید محمد نور الحسن نور دام ظلہ رحمت تمام کے دیباچے میں لکھتے ہیں۔

> ”محترم حبیب سرور نعت گو شاعر ہیں اور صاحب دل بھی ہیں۔ ان کی شاعری کی شروعات ہی نعت گوئی سے ہوئی۔ یہ بہت بڑے فضل کی بات ہے۔ اکثر سنا اور دیکھا گیا ہے کہ لوگ ادھر ادھر سے بھٹک بھٹکا کر ذکر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آغوش میں پناہ لیتے ہیں۔ جب سکون و اطمینان کے متلاشی کو کہیں جائے قرار نہیں ملتی اور جب اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول کریم علیہ التحیۃ والثنا کا فضل بھی شامل

حال ہوتا ہے تو در کرم وا ہو جاتا ہے۔حبیب سروران معنیٰ میں واقعی
قابل صد مبارک باد ہیں کہ انہیں شاعرانہ زندگی کے روز اول سے ہی
نعت رسول اکرم نے اپنی پناہ میں لے لیا۔حالاں کہ انہوں نے
غزل اور دیگر اصناف سخن میں بھی طبع آزمائی کی ہے لیکن نعت کے
سرور سے کبھی باہر نہیں ہوئے"۔

نعت حبیب سرور کا عشق، متاع جاں اور مشغلۂ حیات ہے۔آپ توفیق نعت گوئی ملنے پر بارگاہ رب ذوالجلال میں سپاس گزار ہیں۔آپ تا حیات مدح رسول ﷺ سے کامل وابستگی کے لیے دعا گو ہیں۔

مرے ہر نفس کی بیاض میں کوئی تازہ نعت کا پھول ہو
جو ملے تو داد سخن مجھے مرے مصطفیٰ سے وصول ہو

حبیب سرور کی نعت گوئی مقصدیت کی حامل ہے۔آپ کے اشعارِ نعت کا بنیادی ہدف جذباتِ عشق اور ذوق اطاعت کی ترسیل ہے۔آپ کی مدح گوئی کا ایک مقصد اصلاح احوال بھی ہے۔نعت، ذکر رسول ﷺ، عشق رسول ﷺ اور اسوۂ رسول ﷺ کی ترجمان ہو تو بلاشبہ اصلاح احوال کا فریضہ بھی سر انجام دیتی ہے۔ حبیب سرور کی نعتیہ شاعری میں یہ تمام اوصاف بہ درجۂ اتم موجود ہیں آپ کی نعوت میں آقائے نامدار ﷺ کے جلیل تذکار اور محبت رسول ﷺ کے حصول کے اسباب کا ذکر ملتا ہے۔اسوۂ رسول کے یہ محبت بھرے تذکرے جذبۂ عشق و محبت میں اضافے کا باعث ہیں۔حبیب سرور کی نعتیہ شاعری اذہان وقلوب پر عظمت مصطفیٰ مرتسم کرنے کی کاوش کا نام ہے۔آپ تا ابد نعت رسول ﷺ کے ذریعے عظمت مصطفیٰ ﷺ اجاگر کرنے کے خواہش مند ہیں آپ کا اعلان ہے کہ

پہلے اپنے ذہنوں پر عظمتوں کی حد لکھنا
بعد میں خرد والو! مصطفیٰ کا قد لکھنا

آپ اپنے صدقے میں عمر خضر دیں مجھ کو
چاہتا ہوں میں آقا نعت تا ابد لکھنا

آپ کے اوج و مراتب کی کوئی حد ہی نہیں
جتنا سمجھے کوئی اس سے بھی سوا ہیں مصطفیٰ

عظمت نبی کے منحرف زندگی سے دور دور ہیں
کچھ سراغ عافیت انہیں زیر آسماں نہیں ملا

حبیب سرور نے اپنی نعتوں میں آقائے دو جہاں ﷺ کی عظمت کو اجاگر کرنے کے لیے نوع بہ نوع انداز میں کہیں آپ کے اوصاف حمیدہ کا ذکر کیا ہے اور کہیں اخلاق حسنہ کا، کہیں آقائے دو جہاں ﷺ کے شہر بے مثال کو موضوع سخن بنایا ہے اور کہیں معجزات خیر الانام نظم کیے ہیں۔ کہیں کردار نبی ﷺ کی عظمت کا بیان ہے اور کہیں آداب بارگاہ نبوی ﷺ کے تذکرے سے شان رسالت مآب ﷺ عیاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ سیرت طیبہ کا مبارک تذکرہ آپ کی نعت کا ایک منفرد موضوع ہے۔ آپ نے بعثت نبوی سے پہلے کے وقائع کو بھی اپنی نعت گوئی کا حصہ بنایا ہے جیسے ارہاصات نبی ﷺ، لشکر ابرہہ کی ذلت آمیز شکست، تعبد و تقرب الٰہی کے لیے قیام حرا اور حجر اسود کی تنصیب وغیرہ۔ اس کے علاوہ آپ کے اشعار نبی کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے ذوق پرور بیان سے بھی مملو ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری سے ظلمت کدۂ کائنات روشن ہوگیا۔ شعلے شبنم میں ڈھل گئے اور خارزار، رشک گلزار ہوگئے، باطل کی فسوں کاری کے اثرات زائل ہوئے اور لوگ جانب حق مائل ہوئے۔ حبیب سرور نے سیرت طیبہ کے ان تمام مناظر کو اشعار کی لڑی میں کچھ یوں پرویا ہے۔

اسود کا جھگڑا ختم نہ کرتے اگر حضور
اٹھتا ہمیشہ فتنۂ محشر زمین پر

اب الٹ جائے گی دنیا سے اندھیرے کی بساط
فرش پر غیرت صد ماہ تمام آتے ہیں

مسکراتا ہے جو آغوش حلیمہ میں وہ چاند
ہادیِ جن و بشر فخر رسولاں ہوگا

آئے ہیں نبی ہم نے یہ محسوس کیا ہے
اللہ احد پڑھ کے صنم جھوم رہے ہیں

جس سمت نظر اٹھ جاتی تھی یہ چاند ادھر ہو جاتا تھا
آقائے دو عالم کا بچپن سبحان اللہ سبحان اللہ

اک چاند پر ہی بس نہیں تعظیم مصطفیٰ
پا بوسی کرنے آئے ہیں اکثر درخت بھی

کنکروں نے بند مٹھی میں کہا بو جہل کی
نازش کونین محبوب خدا ہیں مصطفیٰ

وہ شب اسریٰ کلیم اللہ کے اصرار پر
عرش اعظم پر نبی کا آنا جانا یاد ہے

دشمن جاں کو بھی دیتے ہیں دعائیں روز و شب
تم نے دیکھا ہی نہیں میرے پیمبر کا سلوک

حبیب سرور نے اپنی نعتوں میں آقائے دو جہاں ﷺ کے مراتب علیا اور مدارج رفیعہ کو اجاگر کرنے کے لیے قرآن وحدیث اور سیرت نبوی کو اپنا ماخذ بنایا ہے۔ آپ کے نعتیہ کلام میں ان مآخذ سے مستنبط موضوعات بہ کثرت نظر آتے ہیں۔ اسی طرح آپ کے ہاں تاریخ اسلامی کی تلمیحات کا ہنر مندانہ استعمال بھی عام ملتا ہے۔ نیز اخلاص وصدق بیانی اور جذبات کے رچاؤ کی بہ دولت حبیب سرور کی نعتیں تاثیر کے جوہر سے مالا مال ہیں جبھی تو دلوں کو چھو کر اور روح کے تار چھیڑ کر گزرتی ہیں۔ آپ کی نعتیہ لفظیات دلکش وسادہ ہیں، تراکیب گنجلک اور پیچیدہ نہیں ہیں۔ آپ کی تشبیہات عمدہ، استعارات بلیغ اور مفاہیم وسیع ہیں، بندش کی چستی اور زبان و بیان کی

درستی قابل دید ہے۔ الفاظ کی نشست و برخاست تعظیم و تکریم کی مظہر ہے۔ آپ نے فنی موشگافیوں اور صنائع بدائع کے پیچھے دوڑنے کی بہ جائے سادگی اور پرکاری کا طریق اپنایا ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ سادگی میں بلا کا حسن ہوتا ہے۔ بہ ایں سبب آپ کے اشعار عمدگی اور تازگی کے مظہر ہیں سادگی کے ساتھ سوز و گداز بھی آپ کی مدحت نگاری کا وصف خاص ہے۔ آپ نے اپنے دل پر وارد ہونے والی کیفیات کو نعت کے پیکر میں ڈھال کر ہر دل کی آواز بنا دیا ہے۔

اگر ہو آفتاب آمنہ کی جلوہ آرائی
شب غم رخ بدل کر خود سحر آثار ہو جائے

ان کو دیکھو سنور جاؤ گے
آئینے کی ضرورت نہیں

نفرتوں کی پوشاکیں دوستو بدلنی ہیں
عرض مخلصانہ ہے ذکر مصطفیٰ چھیڑو

بات سرور کیا ہے؟ کیوں حیرت زدہ ہیں آج تک
کیا ستاروں کو نبی کا مسکرانا یاد ہے

کرے گی بزم دو عالم کو بالیقیں سیراب
جو رحمتوں کی اٹھی ہے گھٹا مدینے سے

نعت گوئی یادِ رسول کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ یادِ رسول میں گزرے لمحات اثرِ گردشِ دوراں سے مامون رکھتے ہیں۔ یادِ رسول غموں کا مداوا، آلام سے نجات اور بلاؤں سے عافیت کی نوید ہے۔ چمنستانِ قلب کی ہر شاخ اسی سے ثمر آور ہے۔ شبِ تار حیات اسی سے سحر یاب ہے۔ حبیب سرور نعت نگاری کے ذریعے ہمہ وقت یادِ نبی میں محو و مشغول ہیں۔ یہ محویت آپ کو بہت مرغوب و محبوب ہے اور اس کے سامنے دیگر کارہائے زیست ہیچ ہیں۔ نعت گوئی نے آپ کی زندگی کو صحیح معنوں میں زندگی بنایا ہے اور آپ کے لیے درآگہی وا کرنے کا باعث بنی ہے۔

جب رنگ حادثات نے اپنے دکھائے ہیں
سرکار کائنات بہت یاد آئے ہیں

جس طرح سے ہوتے ہیں طاقوں میں دیے روشن
پلکوں پہ کیا جائے یوں نام رقم ان کا

کیوں نہ میں نعت پڑھوں، نعت کہوں، نعت لکھوں
میں بھی ہوں پیرو حسان رسول اعظم

حبیب سرور کی نعت میں کہیں کہیں نئے پن اور تازہ کاری کی چمک بھی ملتی ہے۔ آپ کی نعت نگاری مضمون آفرینی کے اعتبار سے بھی خوب ثروت مند ہے۔ آپ نے متنوع موضوعات کو نعت سے ہم آہنگ کر کے وسعت معانی کی راہ نکالی ہے۔ آپ کی تمام نعتیہ شاعری بالخصوص آپ کا نعتیہ دیوان آپ کی محنت پسندی، تن دہی اور

جاں فشانی کا غماز ہے۔آپ کی نعتیں منفرد ردیفوں سے مزین ہیں۔آپ نے یک لفظی وطویل ہر طرح کی ردیفوں میں ثنا کاری کے جوہر دکھائے ہیں۔ردیف کی ندرت جہاں منفرد مضامین کا پیش خیمہ ہوتی ہے وہیں شاعر سے اس کے فکر وفن کا امتحان بھی لیتی ہے اور حبیب سرور اس میدان میں کامیاب و کامران رہے ہیں۔ آپ کی چند منفرد نعتیہ ردیفیں یہ ہیں، سلوک، زمین، کاغذ، چہرہ، ہمیشہ، موجیں، کہاں سے لاؤں، مدینے کی ہواؤ، نعت پاک مصطفیٰ، معلوم ہوتا ہے وغیرہ۔

ضرور ہو کے یہ آئی ہے باغ طیبہ سے
ہے اک خزانہ خوشبو صبا کے دامن میں

حبیب سرور کی نعتوں میں استغاثہ کے ضمن میں عمدہ اشعار ملتے ہیں جن میں آپ کے درد دل اور کرب دروں کی تصویر دکھائی دیتی ہے۔

حبیب سرور چارہ گر امت کی بارگاہ میں انفرادی و اجتماعی احوال پیش کر کے رحم وکرم کے طالب ہیں۔بہ طور مثال یہ شعر:

سرکار آپ زحمت چارہ گری کریں
امت کا حال ہے کسی بیمار کی طرح

رنج و آلام کی دھوپ ہے یا نبی پاؤں سایہ تو پھر
روشنائی سے اشکوں کی میں درد وغم کا خلاصہ لکھوں

پھر ظلمتوں نے جال بچھایا ہے چار سو
پھر اپنے عہد پاک کا نوری سماج دو

حبیب سرور اپنے مرشد کامل کے ساتھ ساتھ اپنے شیخ الشیخ سے بھی غایت درجہ عقیدت رکھتے ہیں۔آپ کا رشتہ محبت و ارادت قابل رشک حد تک مضبوط ہے۔ حبیب سرور کی اپنے پیر خانے سے حد درجہ وابستگی نہ صرف آپ کی مناقب سے عیاں ہے بلکہ آپ اپنے کثیر نعتیہ اشعار میں بھی اس لطف و احسان کا چرچا کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ نعت نگاری اور عشق رسالت کی دولت آپ کو **دیار سید نواب علی شاہ** سے عطا ہوئی ہے۔آپ اپنی نعوت میں نسبت شہ نواب پر نازاں ہیں کیوں کہ یہی نسبت آپ کو درشہ امم سے جوڑتی ہے۔آپ کا یقین کامل ہے کہ سوئے طیبہ جانے والی رہگذار دیار مرشد سے ہو کر گزرتی ہے۔آپ اپنی نعوت میں اپنے شیخ کے صدقے آقائے کائنات کے لطف و کرم کے طالب ہیں اور سادات کی غلامی کے ذریعے سید السادات کی بارگاہ میں حضوری کے شائق ہیں۔آپ کی مضبوط نسبت ارادت کے ذکر سے مزین چند نعتیہ اشعار حسب ذیل ہیں۔

نسبت شاہ نواب حاصل ہوئی پیر ہیں میرے سید عزیز الحسن
ان کی تعلیم ہے بس یہی دوستو مصطفیٰ جان رحمت کی باتیں کرو

حاضری کس لیے ہم دیں نہ یہاں پر سرور
شاہ نواب ہیں اللہ کی رحمت کے چراغ

رہ گذار در شہ نواب
سوئے طیبہ بھی جانے والی ہے

حبیب سرور صنف منقبت نگاری میں بھی مہارت رکھتے ہیں منقبت مدح کی وہ قسم ہے جس میں صالحین کے اوصاف و خصائل بیان کیے جاتے ہیں منقبت پہ آپ

کا مستقل رسالہ بہ نام نغمات نوابیہ موجود ہے۔ جس کا ذکر سطور بالا میں گزر چکا ہے مناقب کی چند امثلہ پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

محراب و در و بام پہ حوروں کا ہے مسکن
جنت ہے کہ روضہ ہے حسین ابن علی کا

سرور زہے قسمت کہ ہے نوابی عزیزی
اس رشتے سے منگتا ہے حسین ابن علی کا

خواب اسلاف کی تعبیر ہیں نواب علی
معرفت کی بڑی جاگیر ہیں نواب علی

جاں بہ لب ہوں مجھ پہ چشم خاص ہو
ہے مری یہ التجا نواب شاہ

شکل و صورت میں بھی اس قدر ہیں حسیں
جیسے ہوں ماہ پارے عزیز الحسن

**حبیب سرور کی بہاریہ شاعری:**

حبیب سرور کے شعری اثاثہ میں بہاریہ کلام کا بھی معتد بہ حصہ موجود ہے۔ آپ نے اپنے سوز دروں، جذبات کیف و سرور اور سماجی مسائل کو اشعار کے پیکر میں ڈھالا ہے۔ آپ نے غزل کے وسیع کینوس پر انسانی زندگی کے گوناگوں مناظر

کی تصویر کشی کی ہے۔آپ کے اشعار سلاست و روانی، زبان دانی اور افکار کی بے کرانی کے مظہر ہیں۔آپ کی شاعری حیات بخش عناصر کی حامل ہے۔بہ نظر غائر دیکھا جائے تو حبیب سرور کی بہاریہ شاعری میں تین نمایاں رنگ ملتے ہیں۔ **انقلابی رنگ، رومانوی رنگ** اور **نسبتی رنگ**۔آپ کی غزل کا انقلابی رنگ عصری تحریکات کے اثرات کا شاخسانہ ہے۔رومانوی وعشقیہ رنگ کا سبب کلاسیکی غزل اور مشاعرہ کی روایت سے انضمام ہے اور نسبتی رنگ **خانقاہ عالیہ نوابیہ** سے آپ کے انسلاک وارتباط کی بہ دولت پیدا ہوا۔

## حبیب سرور کی انقلابی غزل

ادب کے رجحانات ہر دور میں بدلتے رہتے ہیں۔عصری ادبی رجحانات اور طور طریقوں کا اثر قبول کرنا اور شاعری میں ان اثرات کا جھلکنا ایک طبعی بات ہے۔ حبیب سرور نے جس دور میں شاعری کا آغاز کیا وہ ترقی پسند تحریک کے اوج وعروج کا دور تھا۔اس دور کی شاعری محض سماجی اونچ نیچ کا نوحہ اور انقلاب کا نعرہ بن کر رہ گئی تھی۔اگر چہ اس تحریک نے اچھے شاعر بھی پیدا کیے مگر روایت سے کلیتاً انحراف، بے دینی کے فروغ اور روسی ادب کی نقالی وغیرہ کی بہ دولت یہ تحریک دب گئی اور آخر قصہ پارینہ بن گئی۔حبیب سرور اگر چہ ترقی پسند تحریک کا حصہ تو نہ بنے لیکن بہ ہر حال آپ کی غزل میں کہیں کہیں ان موضوعات ومضامین کی جھلک ضرور نظر آتی ہے جو اس دور کے شعر وادب کا خاصہ ولازمہ بن چکے تھے۔جیسے غربت وافلاس، سماجی نا ہمواری، ناانصافی، اور سیاسی غلامی وغیرہ، استاد گرامی قدر سید محمد نور الحسن نور نوابی عزیزی کے بہ قول۔

"سرور صاحب ان خوش کلام شعرا میں سے ہیں جنہوں نے اردو ادب کے کئی ادوار اور تحریکات دیکھیں جیسے روایت، ترقی پسند اور جدیدیت لیکن وہ کسی تحریک کا حصہ نہیں بنے اور اپنے خاص انداز میں خدمت ادب کرتے رہے اور اردو کا دامن اپنے شعری اثاثے سے پر کرتے رہے لہٰذا ان کی شاعری میں ہر رنگ اور ہر دور کی یادگاریں اور جگمگاہٹیں ملتی ہیں"۔

حبیب سرور اپنے اکثر اشعار غزل میں جہالت زدہ معاشرے میں انسانی قدروں کے انحطاط، محنت کشوں کے تنزل، اہل اقتدار کی فتنہ پروری اور شیطانیت کے راج پر ملول ہیں۔ آپ کے ہاں گوشۂ ذہن میں بسیرا کرنے والے اندھیروں، بحر ہستی میں امنڈنے والے طوفانوں اور دن کو تاریک کر دینے والے ابر رنج والم کا ذکر غم انگیز بھی ملتا ہے۔ اور ساتھ ہی امید کی شمعیں، آس کے دیے اور یقین کے چراغ بھی فروزاں دکھائی دیتے ہیں جو صبح انقلاب کی نوید بن کر غم زدہ قلوب کی راحت سامانی کا باعث بنتے ہیں۔ الغرض آپ کے کلام میں جہاں معاشرتی مسائل کا ذکر ہے وہیں امید افزا اور یقین آور اشعار بھی ہیں جو شعری فضا کو بوجھل ہونے سے بچاتے ہیں۔

بڑھ کے تخت اقتدار پر جو براجمان ہو گئے
جتنے بے ضمیر آ گئے ان پہ مہربان ہو گئے

جن کی تجوریوں میں غریبوں کا کچھ نہیں
موتی کے ڈھیر ان پہ گراتی رہی ہوا

شعلے لوگ بوئیں گے آگ لوگ کاٹیں گے
کون جانے کیا ہو گا کھیتیوں کا مستقبل

کاش اہل زر آ کر پوچھتے یہ بستی میں
کس لیے نہیں کھلتا مفلسوں کا دروازہ

لاشوں کے انبار ہیں کھلیان میں
بیج کیسے بو گئی سونی سڑک

مندرجہ بالا انقلابی اشعار کے ساتھ صبح امید کا استعارہ بننے والے رجائی اشعار ملاحظہ کیجیے۔

دور تخریب میں تعمیر سے مایوس نہ ہو
رات کے بعد سویرا بھی ہوا کرتا ہے

کیوں ہیں افسردہ طالبان سحر
شب کے دامن میں بھی سویرا ہے

**حبیب سرور کی عشقیہ غزل:**

حبیب سرور کی غزل غم روزگار کی تلخیوں کے ساتھ ساتھ جذبات و احساسات کے گداز کی بھی خوب ترجمانی کرتی ہے۔ آپ کی غزل میں جا بہ جا عشقیہ مضامین موجود ہیں۔ آپ کی غزلیں ترنم اور غنائیت سے معمور ہیں آپ اپنے محبوب سے حکایت دل کہنے کے مشتاق ہیں۔ آپ نے جفاکش محبوب سے ترک تعلق نہ کر کے وفا

کا بھرم قائم رکھا ہے۔ تصور محبوب ہجر و فراق کے سنگین لمحات کو رنگین و دل فریب بنا دیتا ہے اور یاس کے عالم میں آس کی ڈوری تھام کر سرگرم عشق رہتے ہیں۔ آپ اپنی غزل کی دل فریبی کا باعث اپنے محبوب کو گردانتے ہیں۔

آپ کی غزل نہایت سادہ و سلیس ہے۔ آپ کی شاعری کو سادگی اور عام فہمی کی راہ پر گامزن کرنے میں مشاعروں کا بھی بڑا کردار ہے۔ کیوں کہ مشاعروں میں دلوں کو گرمانے، رنگ جمانے اور سماں باندھنے والے عوامی ذوق کے حامل اشعار ہی کامیاب رہتے ہیں حبیب سرور صاحب کے مضمون بہ نام "عرض حال" میں ہے۔ "جناب شکیل بدایونی کی صدارت میں مرین ڈرائیو کے ہال میں مشاعرہ پڑھا شکیل بدایونی نے دعائیں دیں اور کہا، بیٹا پڑھے خوب ہو مشق جاری رکھنا ایک دن اچھے شاعر ہو گے۔ بعدۂ علامہ شرف زیدی حنفی رامپوری سے ملاقات ہوئی اور میں نے باقاعدہ ان سے اپنے کلام پر اصلاح لی۔ اس دور میں غزلوں کے مشاعرے بہت ہوتے تھے جب سے اب تک ذوق میں کوئی کمی نہیں آئی"۔

مندرجہ بالا اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ حبیب سرور کے دور شعر گوئی میں مشاعروں کا رواج تھا۔ اس زمانے میں مشاعرہ اہم ترین ادبی ادارہ تھا اور خواص و عوام ان میں شرکت کرتے تھے۔ چوں کہ مشاعروں کے مخاطبین و سامعین عوام ہوتے ہیں اور مشاعروں میں سہل بیانی اور سحر آفرینی کا سکہ چلتا ہے یہی وجہ ہے کہ حبیب سرور کے ہاں عشقیہ مضامین اور سہل لفظیات کی کثرت ہے۔

نہ ہو جو ذہن پر تیرے جمال کا پرتو
تو دیدہ زیب ہماری غزل کا رنگ نہ ہو

مرے سوال تمنا پہ خامشی کیسی
جواب دے نہ سکے یا جواب ہو نہ سکا

حضرت دل! یہ پوچھتا ہوں میں
آپ کس طرح زیر دام آئے

چھیڑو نہ مجھے گزرے ہوئے دور کی یادو
اس سے تو یہ اچھا ہے کہ دیوانہ بنا دو

اے دوست اب تغافل بے جا سے باز آ
وہ رت بدل گئی، وہ زمانے بدل گئے

سادگی اور سریع الفہمی اس بات کو مستلزم نہیں کہ آپ کے ہاں فن اور ہنرمندی عنقا ہو۔آپ نے بیشتر فکری و مشاہداتی اشعار بھی کہے ہیں مزید برآں سادہ لفظیات میں معانی کا جادو جگا دینا ہنرمندی اور فن کاری کے بغیر کہاں ممکن ہے۔ آپ کے کئی اشعار سہل ممتنع کی بہترین مثال ہیں آپ کی غزلیات روایت سے کامل انضباط کی مظہر ہیں۔خیالات کی تنظیم، الفاظ کا انتخاب اور اسلوب نہایت عمدہ ہے۔ اگرچہ آپ کے ہاں روایتی غزلیہ مضامین و افکار کی تکرار ملتی ہے تاہم آپ کے مخصوص انداز بیان اور نکتہ سنجی نے اس تکرار کو بھی گراں بار نہیں بننے دیا۔آپ کے مجموعۂ کلام میں نزاکت، شعریت، اور تغزل سے بھرپور اشعار بھی ملتے ہیں۔جو آپ کے فکر و فن اور رنگ سخن کی خوب ترجمانی کرتے ہیں۔

چھیڑیں وہ نغمہ کاش حریفان بے حسی
جو نبض کائنات کو رکھ دے جھنجھوڑ کر

اے فلک دل کا ہر اک داغ ہے خورشید جمال
کیا ہیں یہ انجم و مہتاب ہمارے آگے

دھوپ کیوں دہکتی ہے اک الاؤ کی مانند
ہیں شعاعیں سورج کی خنجروں کا آئینہ

**حبیب سروری کی نسبتی غزل:**

حبیب سرور کی کئی غزلوں میں نسبتی رنگ کے اشعار بھی ملتے ہیں۔ خانقاہوں سے فیض یافتہ افراد کے قلوب و اذہان ہمہ وقت یاد الٰہی کے ساتھ ساتھ مرشد و ہادی کے تذکار سے بھی معمور رہتے ہیں۔ خانقاہی شاعر جب اپنے افکار منظوم کرتا ہے تو اس کا فیض نسبت غزل کہتے ہوئے بھی اس کے احساس کو اپنے احاطے میں رکھتا ہے اور یوں غزل کا روئے سخن محبوب مجازی کی بہ جائے رہنمائے جادۂ طریقت کی جانب مڑ جاتا ہے۔ سوز و گداز اور روحانیت کی اس فضا میں نسبتی اشعار کا صادر ہونا کوئی تعجب خیز امر نہیں۔ اکثر خانقاہی شعرا کی غزلیں اس قبیل کے اشعار سے مزین نظر آتی ہیں بلکہ کئی غزلیات تو پوری کی پوری اسی رنگ میں رنگی ہوتی ہیں۔ حبیب سرور کی غزل میں بھی نسبت کا رنگ نمایاں ہے۔ سلسلۂ عالیہ نوابیہ عزیزیہ سے شرف بیعت پانے کے بعد آپ بہ کثرت اپنے مرشد طریقت کی بارگاہ میں حصول فیض کی غرض سے حاضر ہوا کرتے تھے اس کے علاوہ آپ کو استاذ گرامی قدر حضرت

سید محمد نور الحسن نور نوابی عزیزی کی طویل صحبت و رفاقت نصیب رہی۔ ان صحبتوں نے آپ کی غزل کو ایک خاص نفاست اور حلاوت سے نوازا اور آپ کی غزل کا رنگ خاصا تبدیل ہو گیا۔

حبیب سرور کے چند نسبتی رنگ کے اشعار ملاحظہ کیجیے۔

ان کی چشم کرم جب کبھی ہو گئی
ضو فگن مشعل زندگی ہو گئی

ان کے نقش قدم پر جھکایا تھا سر
لوگ کہنے لگے بندگی ہو گئی

مری ہستی ہے اور ان کی توجہ
میں کیا ہوں کیا بنایا جا رہا ہوں

لطف سجدہ انہیں حاصل نہ ہوا
جو ترا نقش قدم بھول گئے

غم زندگی کو لیے ہوئے ترے آستاں پہ میں آ گیا
کہاں جاؤں در ترا چھوڑ کر ترے جیسا کیا کوئی اور ہے

شکر خدا کہ آپ نے دیوانہ کہہ دیا
اب جا کے کامیاب مری زندگی ہوئی

حبیب سرور اپنی غزلیات میں زمانے کے بدلتے ہوئے رنگ ڈھنگ پر متعجب و حیران بھی ہیں اور متوحش و پریشان بھی۔ بالخصوص رشتوں کی بے حسی اور قطع تعلقی اور دوستوں کی بے گانگی پر رنجیدہ و کبیدہ خاطر ہیں آپ کے بیشتر اشعار دوستوں سے گلے شکوے پر مبنی ہیں۔ حبیب سرور خود دوست دار ہیں اور منافرت، دھوکہ دہی اور تصنع سے پاک دل رکھتے ہیں اور ایسے ہی پر خلوص دوستوں کے طلب گار ہیں۔ بہ وقت ضرورت منہ پھیرنے والے دوستوں کو آپ ننگ ظرف قرار دیتے ہیں۔

مفلسی کے وقت پہچانے گئے
تھا مرا جن دوستوں سے رابطہ

دوستوں کی جانب سے بے تعلقی توبہ
سب نے بند رکھا ہے قربتوں کا دروازہ

جس پہ کرتا ہوں بہ صد ناز بھروسہ یارو!
وائے تقدیر وہی دیتا ہے دھوکہ یارو!

حبیب سرور نے منظومات میں بھی اپنے فکر و فن کا اظہار کیا ہے نظم یک موضوعی صنف ہے لہٰذا یہ غزل سے بھی کہیں زیادہ سلاست و روانی کی مقتضی ہے۔ نیز خارجی عناصر کے ساتھ ساتھ داخلی حسیت بھی نظم کا اہم جزو ہے حبیب سرور نے صرف پابند نظمیں ہی کہی ہیں اور نظموں میں بھی غزل کی مثل ردیف و قافیہ کے نظام کی پوری پابندی کی ہے۔ آپ کی پہلی نظم کا عنوان ہے "علم" یہ نصیحت آمیز نظم آپ کی گہری بصیرت اور تجربہ کاری کا پتا دیتی ہے۔ آپ کی نظموں میں جذبہ حب الوطنی بھی جھلکتا

ہے۔آپ کی نظم "میں ہندوستان ہوں" وطن کی مٹی سے وفاداری اور سرزمین وطن سے کیے گئے وعدوں کی پاس داری کی ترجمان ہے۔انقلاب، یاد ماضی، یادوں کا اثاثہ اور قومی یکجہتی وغیرہ آپ کی مشہور زمانہ نظمیں ہیں۔بالخصوص آپ کی نظم "وادی کشمیر" آپ کے فکر وفن کی بہترین مظہر ہے۔اس نظم میں آپ نے وادی کشمیر کے سحر انگیز مناظر کی تصویر کشی کی ہے اور بے شمار بصری پیکروں کے ذریعے وادی کشمیر کا حسن و جمالِ بے مثال نظر افروز کیا ہے اس نظم میں تراکیب کی فسوں کاری نے نظم کی خارجی فضا سازی کے ساتھ ساتھ داخلی کیفیت کو بھی دو آتشہ کر دیا ہے۔جیسے منبع برفاب ونخل، خطۂ گل کدہ بردوش، محاکات غزل، شفق شعلۂ جوالہ، نظم مجسم، نازش روح وطن، دیدۂ مے بار، حسن نگار فطرت وغیرہ۔اس نظم کا ٹیپ کا مصرع اپنی عمدہ بست و بنت کے باعث نظم کے ہر بند کو حسن اختتام سے ہم کنار کرتا ہے۔

منظومات سے ایک مثال۔

وہ چمن زار، سمن زار وہ ارض جنت
خطۂ گل کدہ بر دوش مثال نکہت
مرکز ذوق نظر حسن نگار فطرت
تیرے منظر پہ فرشتوں کا بھی دل جائے پگھل
اے حسیں وادی کشمیر فسوں ساز غزل

حبیب سرور کہنہ مشق، قادر الکلام اور زود گو استاد شاعر تھے آپ تا حیات شعر و ادب سے وابستہ رہے۔حبیب سرور کو خانقاہ نوابیہ عزیزیہ سے وابستہ ہونے کا یہ فیض بھی حاصل ہوا کہ ان کا شعری اثاثہ محفوظ و مطبوع ہو گیا۔

# کفیل احمد عزیزی نوابی

کفیل احمد عزیزی نوابی المتخلص بہ " **کفیل** " کا شمار خانقاہ نوابیہ عزیزیہ کے ان سخن وروں میں ہوتا ہے جو اردو کے ساتھ ساتھ فارسی شعر گوئی پر بھی مکمل عبور رکھتے ہیں۔ آپ کے والد کا نام عبدالحمید ہے۔ آپ ۶ مارچ ۱۹۵۸ کو سنگاؤں ضلع فتح پور یو پی میں پیدا ہوئے۔ آپ نے سنگاؤں کے ایک مقامی اسکول سے ابتدائی عصری تعلیم حاصل کرنے کے بعد ایک دینی مدرسہ سے حفظ قرآن مجید کی سعادت حاصل کی۔ پھر کانپور تشریف لے گئے اور وہاں کی ایک درس گاہ سے درس نظامی کیا اور اردو فارسی بورڈ سے منشی، مولوی، کامل، عالم، فاضل کے امتحانات میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ آپ رشتۂ ازدواج سے منسلک ہونے کے بعد سنگاؤں سے جگدل پور منتقل ہو گئے اور وہاں ابتدا میں گھڑی سازی کا پیشہ اختیار کیا۔ جگدل پور میں قیام کے دوران ایک ادبی تنظیم کے ممبر بن گئے، معاشی مصروفیات کے ساتھ ساتھ ادبی سرگرمیوں میں بھی مشغول رہے۔ کچھ عرصہ قیام کے بعد جگدل پور کو خیرباد کہا اور اپنے آبائی وطن سنگاؤں میں واپس آگئے اور مدرسہ شمس العلوم کے شعبۂ اردو و فارسی ادب میں مدرس کے عہدے پر فائز ہوئے۔ آپ نے بہ حسن وخوبی اپنی ذمہ داریاں سر انجام دیں اور مدت ملازمت پوری کر کے سبک دوش ہوئے۔ آپ کو سلسلۂ عالیہ نوابیہ عزیزیہ کے صاحب سجادہ پیر طریقت، رہبر شریعت حضرت صوفی سید محمد عزیز الحسن شاہ عزیز نوابی مدظلہ العالی کے دست حق پرست پر شرف بیعت حاصل ہے۔ آپ

اپنے پیر خانے سے بے اندازہ عقیدت ومحبت رکھتے ہیں۔آپ کی ارادت ومحبت، ذوق وشوق اور وابستگی قابل رشک ہے۔خانقاہ عالیہ میں بہ کثرت حاضری کی سعادت سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔

کفیل صاحب ابتدا ہی سے شعر وسخن سے غایت درجہ دل چسپی رکھتے تھے۔ اردو اور فارسی ادب کے مطالعے نے اس ذوق کو فزوں کر دیا۔طبیعت موزوں تھی لہٰذا زمانۂ طالب علمی سے ہی آپ شاعری کا آغاز کر چکے تھے۔تاہم شاعری کا باقاعدہ آغاز ۱۹۷۷ء سے کیا۔فارسی شعر وادب کے اس قدر دل دادہ تھے کہ ابتدا میں صرف فارسی زبان میں ہی شاعری کرنا پسند کرتے تھے۔بعد میں عوام کی فارسی ناشناسی کے سبب عوامی زبان اردو میں شاعری شروع کی اور غزل کے ساتھ ساتھ نظم بھی کہنے لگے۔ آپ مشہور ومعروف استاد شاعر جناب سلیم احمد زخمی سے اپنے کلام کی اصلاح کروایا کرتے تھے۔سلیم زخمی صاحب، ناطق گلاوٹھی صاحب کے شاگرد تھے۔اور ناطق گلاوٹھی جناب داغ دہلوی کے شاگرد تھے۔شمس العلوم میں مسند تدریس پر متمکن ہونے کے بعد آپ کا دل نعت گوئی کی طرف مائل ہوگیا اور تب سے غزل کے ساتھ ساتھ کثرت سے نعوت ومناقب کہتے ہیں۔آپ کے کلام ہندوستان کے موقر ادبی و دینی رسائل وجرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

ہنوز کفیل صاحب کا کوئی شعری مجموعہ منظر عام پر نہیں آیا، البتہ آپ کے مندرجہ ذیل دو مجموعہ کلام زیر طبع ہیں۔

- مدحتیں (مجموعۂ نعت ومناقب)
- رنگ زار (شعری مجموعہ)

کفیل عزیزی صاحب فن شعر گوئی پر خاصی دسترس رکھتے ہیں۔ افکار کو سلک اشعار میں نظم کرنا آپ کا مرغوب و محبوب شغل ہے شعر گوئی میں صرف ہونے والے وقت کو آپ حاصل زیست خیال کرتے ہیں۔ آپ کی سیماب خوئی آپ کو چین نہیں لینے دیتی اور آپ کا ذہن رسا ہمہ وقت افکار عالیہ کی بازیابی میں منہمک رہتا ہے۔ آپ کی فکر کبھی پابہ زنجیر نہیں ہوئی۔ آپ جو کچھ سوچتے اور محسوس کرتے ہیں اسے پوری صداقت اور دیانت کے ساتھ سپرد قرطاس کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شاعری آپ کی آپ بیتی بھی ہے اور جگ بیتی بھی۔ آپ کی شاعری میں حقائق و دقائق کا تال میل بہت عمدگی لیے ہوئے ہے۔ سعی پیہم محنت شاقہ اور ریاضت نے آپ کے سخن کو پختگی اور کاملیت جیسے اوصاف سے متصف کر دیا ہے۔ آپ کے افکار صریح لفظیات فصیح اور اسلوب بلیغ ہے اسی باعث قاری و سامع کے لیے مطلوبہ معانی دریافت کر لینا مشکل نہیں ہوتا۔ یہ ایسا وصف ہے جو عوام و خواص میں کسی شاعر کی مقبولیت کا گراف اونچا کر دیتا ہے۔ آپ کے اشعار موجوں کی سی روانی اور آبشاروں سا ترنم رکھتے ہیں آپ خیال کی تجسیم اور غیر مرئی احساسات کی صورت گری میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ فکری صلابت اور لفظی نفاست ہر جگہ باہم دکھائی دیتے ہیں آپ نے اپنی ہنر مندی اور آزمودہ کاری سے ہر صنف شعر میں اپنا لوہا منوایا ہے۔

جیسا کہ سطور بالا میں گزرا کہ کفیل عزیزی نے شعر گوئی کی ابتدا صنف غزل سے کی اور بہ کثرت غزل کہتے رہے، بعدہٗ نعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو اپنے حصار کرم میں لے لیا۔ یہی وجہ ہے کہ غزل کے ساتھ ساتھ نعوت بھی آپ کے شعری اثاثہ کے مشمولات کا اہم حصہ ہیں۔ آپ نے نعت کے علاوہ تقدیسی شاعری کی دیگر اصناف مثلاً حمد، مناجات اور مناقب کے باب میں بھی عمدہ تخلیقات پیش کی ہیں

جوآپ کی پختہ کاری کا واضح ثبوت ہیں۔آپ نے اپنے اشعار میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور قدرت کاملہ کے بیان کے ساتھ ساتھ اپنی دعائیں التجائیں اور حاجات بھی بارگاہ الٰہی میں پیش کی ہیں۔آپ نے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں حمد ومناجات کہی ہیں جس سے آپ کی فنی لیاقت،شعری استعداد اور قادر الکلامی خوب ظاہر و باہر ہے۔آپ کے مناجاتیہ اشعار کم وبیش انہیں مضامین پر مشتمل ہیں جو اکثر شعرا کے ہاں مستعمل ومتداول ہیں البتہ کچھ مضامین ایسے بھی ہیں جو آپ کے خاص صوفیانہ رجحان اور تعلق باللہ کو ظاہر کرتے ہیں۔آپ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ سے معرفت جیسے گوہر نایاب کے طالب ہیں۔اہل ایمان کے دل میں بجھتے ہوئے شرار عشق کو پھر سے روشن دیکھنے کے متمنی ہیں۔آپ اپنی طلب اور خواہش کو اللہ کی مرضی کے سپرد کر دینا چاہتے ہیں تاکہ اس کی منشا کے خلاف کچھ طلب ہی نہ کر سکیں۔اسی کیفیت کو تصوف کی اصطلاح میں رضا سے تعبیر کیا جاتا ہے،کفیل عزیزی نے نہایت سلیقے اور شائستگی سے اپنی تمناؤں کو اشعار کے پیراہن سے آراستہ کیا ہے۔

ہے لفظ لفظ میں بکھرا ہوا اسی کا نور
سخن کے بست و بنت میں کمال ہے اس کا

قدیم ایسا، ازل اور ابد کا بھی خالق
نہ جسم ہے نہ کوئی سن و سال ہے اس کا

کریم ایسا نہیں امتیاز دشمن و دوست
سبھی پہ ایک سا جود و نوال ہے اس کا

به عون تو جہاد زندگی کنم خدائے من
به ہر مقابله بود ثبات یاب پائے من

بلاشبہ مطلع سخن پر خورشید نعت رسول ﷺ اس آب و تاب سے روشن ہے کہ غروب سے منزہ اور کسوف سے مبرا ہے کیوں کہ یہ مہر جہاں تاب "ورفعنا لك ذكرك" کے کلمات طیبات کا ورد کرتے ہوئے طلوع ہوا ہے اور روز اول سے قلوب عشاق کو مستنیر کر رہا ہے۔ بلاشبہ نعت، عشاق کے دلوں کی دھڑکن اور فکر و نظر کی روشنی ہے۔ کفیل عزیزی کے شعر و سخن بھی آقائے دو جہاں ﷺ کی مدح و ثنا سے خوب مستفیض ہوئے ہیں۔ نعت کے صدقے آپ کے لیے راہ اوج ہموار ہو گئی ہے۔ آپ نعت رسول ﷺ کو فکر انسانی سے بالا اور الفاظ و معانی سے ماورا سمجھتے ہیں۔ اسی لیے آپ نے جا بہ جا اپنی عجز بیانی اور فکری ماندگی کا ذکر کیا ہے۔ آپ نے نعت کو دشت زیست میں کھلنے والے گل لالہ سے تشبیہ دی ہے چوں کہ لالہ صحراؤں میں کھلنے والا وہ سدا بہار پھول ہے جس کا کھلنا موسم بہار کی آمد پر موقوف نہیں ہوتا اسی طرح مدح رسول بھی وہ نہال لایزال ہے جو کسی خاص وقت اور موسم کا محتاج نہیں بلکہ تمام لمحے نعت شہ والا سے اجالا پاتے ہیں اور تمام موسم گلاب مدحت سے نکہت یاب ہوتے ہیں۔ یوں ہر موسم، ہر لمحہ، ہر سال اور ہر صدی نعت رسول ﷺ سے منسوب ہو کر دولت عزت و افتخار حاصل کرتے ہیں۔ کفیل عزیزی نے مدح رسول ﷺ کو اس بحر بے کراں سے بھی تشبیہ دی ہے جس کی ہر موج روانی اور فیض رسانی میں بے مثال ہے۔ آپ کے نزدیک نعت زخمۂ عشق پر چھیڑا گیا وہ ساز ہے جس کی لے وجدانی کیف و سرور سے ہم کنار کرتی ہے۔ آپ نے اپنے نعتیہ کلام میں نعت کو تقاضائے فطرت، مسیحائے فکر، وظیفۂ دل اور نور خرد قرار دیا ہے۔

ضبط الفاظ سے بالا ہے نبی کی مدحت
بحر گم کردہ کنارا ہے نبی کی مدحت

جب سے سرکار کی مدحت کی بہار آئی کفیل
ہم نے افکار کا گلشن تر و تازہ دیکھا

نہ ہو گا تب بھی مکمل تمہارا ذکر جمیل
سیاہی بحر بنیں کلک یہ شجر ہو جائیں

آپ کی مدحت نگاری ہے مرے پیش نظر
بخش دیں نا اہل کو تھوڑی سی دانائی حضور !

نعت کے پھولوں سے بھرنے لگا دامان دماغ
چشم احساس نے ایسا بھی نظارا دیکھا

نعت رسول کوئی محدود صنف نہیں ہے کہ کوئی شکوۂ تنگ دامانی کرے بلکہ اس صنف کی وسعت بے مثل و مثال ہے۔ آقائے دو جہاں ﷺ کے اسماو افعال، ذات و صفات، اخلاق و کردار، مدارج و مراتب، تصور و تذکار، خصائل و شمائل، منسوبات و متعلقات غرض ان سے ربط رکھنے والی ہر بات جب عشق و محبت سے ہم آمیز ہو کر ورق جاں پر رقم ہوتی ہے تو نعت کا لطیف پیکر وجود میں آتا ہے۔ موضوعات کی بیکرانی کی طرح یہ صنف متنوع طرز اظہار کی بھی حامل ہے۔ نعت کبھی ہجر

وفراق کا بیانیہ بن کر مجبور دلوں کی صدا کہلاتی ہے۔کبھی حضوری کے سرور آور لمحات کا پر کیف تذکرہ ٹھہرتی ہے۔کبھی اوصاف و کمالات مصطفیٰ ﷺ کی تعبیر اور کبھی اسوۂ رسول ﷺ کی تصویر بن جاتی ہے۔استغاثہ بن کر روح عصر کی ترجمانی بھی کرتی ہے۔توسل کے ذریعے دعاؤں کی پاسبانی بھی کرتی ہے۔ذریعۂ نجات اور وسیلۂ بخشش بن جاتی ہے نیز ثنا گو کے لیے باعث عزت وتوقیر قرار پاتی ہے۔کفیل عزیزی کی نعت گوئی بھی طرز اظہار کے ہر رنگ اور ہر انداز سے مزین ہے۔آپ کی نعت میں ہجر وفراق کی کیفیات بھی ہیں۔عرض احوال بھی ہے۔سیرت طیبہ کی جلوہ افروزی بھی ہے۔حسرت زیارت بھی ہے تمنائے حضوری بھی ہے۔الغرض آپ نے نوع بہ نوع اظہاریوں کو اپنا کر عشق ومحبت کا ثبوت پیش کیا ہے۔

چوں کہ نعت اور عشق رسول ﷺ لازم وملزوم ہیں۔جذبۂ عشق کے بغیر الفاظ بے روح جسم کی مانند کھوکھلے اور کاغذی پھولوں کی مثل تازگی وشگفتگی سے عاری رہتے ہیں۔عشق کے ساتھ ساتھ آقائے دو جہاں ﷺ کی نگاہ کرم بھی ملتفت ہو تو نعت،نعت بنتی ہے۔لہجے پھول ہوتے ہیں۔لفظوں سے اثر جھلکتا ہے اور مقدر سنورنے لگتے ہیں۔کفیل عزیزی کی نعت نگاری بھی جذبات عشق ومحبت کی ترجمان ہے۔

آپ کے نعتیہ اشعار میں جذبۂ محبت کی وہ حرارت اور احساس کی وہ شدت نظر آتی ہے جسے عشق رسول ﷺ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔آپ اس عشق کو اللہ تعالیٰ کی خاص عطا سمجھتے ہیں۔آپ خلوت میں بھی بزم خیال رسول سجائے رکھتے ہیں۔یاد رسول ہی آپ کے دل مہجور کی چارہ سازی کرتی ہے۔عشق سرکار ابد قرار ﷺ کو آپ جان زندگی اور اطاعت کو جان بندگی خیال کرتے ہیں۔ہجر وفراق کی کڑی دھوپ

میں تصور جمال رسول ﷺ ہی کا سائبان قرار بخشتا ہے۔انہیں موضوعات کی مناسبت سے کفیل عزیزی کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے۔

دل میں خیال سرور عالم کی بزم ہے
چمکے ہوئے نصیب مرے آشیاں کے ہیں

حضور آپ کے دم سے ہے میرا ساز حیات
مرے نفس مری دھڑکن کی نغمگی ہیں آپ

غم کی خزاں نے کر ڈالا تھا کیسا پھیکا پھیکا رنگ
یاد نبی کی پروا آئی دل کے چمن کا بدلا رنگ

حضور آپ کی یادوں سے جی بہلتا ہے
زمانہ مرگ مسلسل ہے زندگی ہیں آپ

آپ نے زیادہ تر مستعمل و متداول بحور میں نعتیں کہی ہیں۔آپ نے اپنی نعتوں میں منفرد ردیفوں کے استعمال سے سماں باندھ دیا ہے۔آپ کی زیادہ تر نعتیہ ردیفیں یک لفظی ہیں۔بعض ردیفیں ایسی بھی ہیں جن میں بہ ظاہر نعتیہ مضامین کی تخلیق کاری سہل نہیں مگر کفیل عزیزی نے نہایت جاں فشانی اور عرق ریزی سے ان ردیفوں میں نعت کے عمدہ اشعار تخلیق کیے ہیں۔آپ کی چند منفرد ردیفیں یہ ہیں۔قریب، دھوپ، چاہت، ضرورت ہے، مختلف، نکتۂ لولاک، غلط، ہوش، احتیاط، مخصوص، محفوظ، عاشق، ساز وغیرہ۔

بلا شبہ نعت کے معاملات میں حزم و احتیاط بہت ضروری ہے۔ نعت گوئی کی راہ میں "لا تقدموا" کی تہدید بھی ہے اور "لا ترفعوا" کی تنبیہ بھی۔ ایک ثنا کار کے لیے آقائے دوجہاں ﷺ کی بارگاہ بیکس پناہ کے مخصوص آداب کی پاس داری، طرز بیاں کا انکسار اور لہجے کا مؤدب ہونا از حد لازم ہے ورنہ حبط اعمال بلکہ ضیاع ایمان کا خوف دامن گیر رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کفیل عزیزی کی نعت آداب بارگاہ رسالت کی پاس دار ہے اور عجز و نیاز کا زاد راہ لیے جادۂ نعت پر رواں دواں ہیں۔

اس سفر میں جاں نہیں ایمان جانے کا ہے خوف
رہروِ راہ ثنا منزل بہ منزل احتیاط

یہ رہِ نعت نبی ہے راہرو ہشیار باش
فکر کی بے رہروی لفظوں کا شور و غل غلط

نعت نبی کی راہ میں ثابت قدم رہوں
یہ راستہ ہے راہ گذاروں سے مختلف

عصر رواں کے تلخ ترین حالات میں تمام اہل ایمان کو دولت صبر و استقامت اور متاع ایمان کی سلامتی کی فکر دامن گیر ہے کیوں کہ تہذیب نو کی پر فریب کشش انسان کو اس کے مرکز حیات یعنی در رسول سے دور کرنے کے درپے ہے۔ ہر سو غفلت، فحاشی اور بے راہ روی کے عفریت کا راج ہے۔ کشت زار قلب ویران اور آنکھوں کے سوتے خشک ہو چکے ہیں۔ باد صرصر نے چمنستان روح کو جھلسا دیا ہے۔ ایسے پر ہول و ہیبت ناک منظر نامے میں کفیل عزیزی کے نعتیہ اشعار

کرب و اضطراب کی منظر کشی کر کے رحمت مصطفیٰ کی دہائیاں دے رہے ہیں کہ رحمت کی گھٹا برسے، مناظر نکھر جائیں اور دلوں کی بستیاں پھر سے آباد ہوں۔ آپ کی نعتوں میں ایسے اشعار بھی بہ کثرت موجود ہیں جن میں آپ ظلم وستم کی آندھی سے اپنا آشیانہ بچانے کے لیے آقائے دو جہاں ﷺ کی پناہ اور حصار حفاظت کے طالب ہیں۔ آپ نے لمحۂ موجود کے غموں اور مستقبل کے اندیشوں کو اپنے آقا و مولا ﷺ کے سامنے کچھ یوں پیش کیا ہے۔

مری حیات میں جب جب بھی آئے کالی رات
حضور آپ کی رحمت کی چاندنی میں رہوں

جھلستی جا رہی ہے کشت زار زندگی آقا
جہاں کو رحمتوں والی گھٹاؤں کی ضرورت ہے

سیرت طیبہ کے حوالے سے مندرجہ ذیل اشعار قابل ذکر ہیں۔

اسوۂ رسالت پر کر حیات طے اپنی
دھوپ ہے کڑی باہر زیر سائباں ہو جا

بس اسوۂ سرکار کفیل اسوۂ سرکار
ہے منزل عرفاں کا یہی جادۂ مخصوص

کفیل عزیزی فن مناقب گوئی پر بھی قدرت رکھتے ہیں۔ آپ کی علمی لیاقت اس بات سے واضح ہے کہ آپ نے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں مناقب کہی ہیں۔ اور خاصان خدا کی بارگاہ میں گل ہائے خلوص وعقیدت نچھاور کئے ہیں۔ آپ کی

مناقب سادہ و سلیس لہجے، توانا اسلوب اور اخلاص کی آئینہ دار ہیں۔ نیز سوز و گداز اور خوش عقیدگی نے انہیں دل آویز اور تاثر خیز بنا دیا ہے۔ صاحب دل اور اہل عقیدت آپ کی ان مناقب کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

کفیل عزیزی نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی بارگاہ میں بھی ہدیہ منقبت پیش کیا ہے، جدّ الانبیا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی سیرت طیّبہ باطل سے نبرد آزمائی، حق گوئی، حسن بندگی اور خوبیِ اطاعت سے عبارت تھی آپ کی حیات طیبہ کے کئی واقعات اردو شاعری میں استعارے کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں جیسے آپ علیہ السلام کی بت شکنی، آتش نمرود کا گلزار ہونا، اطاعت شعاری اور جذبۂ قربانی وغیرہ۔ شعرائے قدیم و جدید نے تقدیسی و بہاریہ ادب میں ان استعارات کے استعمال سے ہنروری اور فنکاری کے خوب جوہر دکھائے ہیں۔ کفیل عزیزی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی منقبت کہہ کر آپ سے والہانہ عقیدت و محبت کا ثبوت اور "لانفرق بین احد من رسلہ" کا عملی اظہار کیا ہے۔

رکھ دے خدایا ذہن میں عظمت خلیل کی
قسمت سے لکھنے بیٹھا ہوں مدحت خلیل کی

تنہا بتوں کو توڑا ہے بے خوف و بے خطر
دور فلک نے دیکھی ہے جرأت خلیل کی

کفیل صاحب نے افراد اہلبیت علیہم السلام کی مدح و توصیف میں بہت سی مناقب کہی ہیں اور اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ اہل بیت اطہار کی شان و عظمت حیطۂ ادراک سے باہر ہے کیوں کہ یہ وہ ذوات مقدسہ و مطہرہ ہیں جن کے حضور الفاظ شکستہ پا، افکار متعجب و حیراں اور عقل و خرد دم بہ خود ہیں۔

ماورائے عقل و دانش عز و شان اہل بیت
زیب تاج عرش خاک آستان اہل بیت

ان کے اوصاف حمیدہ مجھ سے کب ہوں گے بیاں
کلک یزداں جب ہے خود رطب اللسان اہل بیت

خاتون جنت سیدہ کائنات سلام اللہ علیہا کی بارگاہ عفت وعصمت مآب میں چند اشعار:

ام حسنین، بنت رسول خدا
زوجۂ مرتضیٰ سیدہ فاطمہ

ہے کفیل حزیں آپ کی آل کا
ایک ادنیٰ گدا سیدہ فاطمہ

سبط رسول سیدنا امام حسن علیہ السلام کی شان میں اشعار منقبت ملاحظہ کیجیے۔

میرا روئے سخن ہیں امام حسن
محور فکر و فن ہیں امام حسن

باغباں گلشن دیں کے شبیر ہیں
اور بہار چمن ہیں امام حسن

کفیل عزیزی نے سیدنا امام حسین علیہ السلام کی شان اقدس میں بھی کثیر مناقب کا نذرانہ پیش کیا ہے آپ نے امام عالی مقام علیہ السلام کے فضائل، خصائص، جرأت و استقامت، علوئے ہمت اور تسلیم و رضا کو اپنا موضوع سخن بنایا ہے۔ اور ایک

ایک مصرعے میں پورے پورے واقعات سمو دیے ہیں۔ان تاریخی صداقتوں نے آپ کی مناقب کو وقیع بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔منقبت سیدنا امام حسین علیہ السلام کا ایک شعر ملاحظہ کیجیے۔

قدسیوں سے تو نے فرمایا تھا "مَا لَا تَعلمون"
ابن حیدر نے ترا فرمان سچا کر دیا

فکری ترفع کا حامل یہ شعر مکمل تلمیحی رنگ میں رنگا ہوا ہے جس سے شعر کی معنویت فزوں ہوگئی ہے۔پہلا مصرع واقعہ تخلیق آدم اور دوسرا مصرع واقعہ کربلا کا نقشہ کھینچ رہا ہے۔آپ نے کمال مہارت سے ان دونوں واقعات کے ربط کو ظاہر کیا ہے۔

مندرجہ بالا شعر میں "ما لا تعلمون" کا ٹکڑا سورۃ البقرۃ کی مندرجہ ذیل آیت سے مقتبس ہے۔

"وَ اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْہَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْہَا وَ یَسْفِکُ الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ "

اور (وہ وقت یاد کریں) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں، انہوں نے عرض کیا: کیا تُو زمین میں کسی ایسے شخص کو (نائب) بنائے گا جو اس میں فساد انگیزی کرے گا اور خونریزی کرے گا؟ حالاں کہ ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہتے ہیں اور (ہمہ وقت) پاکیزگی بیان کرتے ہیں، (اللہ نے) فرمایا: میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

جناب کفیل نے اپنی مناقب میں تراکیب و اضافات کے ذریعے بھی اہل بیت اطہار علیہم السلام اور سید الشہدا امام حسین علیہ السلام کے مقام و مرتبہ کو اجاگر

کرنے کی سعی کی ہے جیسے زیب تاج عرش، زیور گوش اجابت، مشعل رہ گذر، کمال رفعت، الحاح صبح گاہ، دست احساس، بوئے وفا، افق کے ماتھے کا زیور، کتاب عزم کا حاشیہ، نجم پُر ضیا، اقتضائے حق کے رمز آشنا، غبار ظلم، رہ گذار وفا، بہار خلد کو آئینہ دکھانا، سر دے کے معرکہ سر کرنا وغیر۔

امام عالی مقام علیہ السلام کی مناقب کے چند مزید اشعار:

تری ہی داستان ہے افق افق شفق شفق
زبان حال و قال پہ ترا ہے تذکرہ حسین

نبی کی آل نے خوں دے کے لو بڑھائی ہے
ہوا کی زد پہ چراغ حرم تھے آئے ہوئے

یوں تیز تر ہوا ہے کہ باطل سہم گیا
صبر و رضا کی سان پہ خنجر حسین کا

کفیل عزیزی نے صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی بارگاہ میں بھی مناقب کے ہدیے پیش کیے ہیں نمونۃً منقبت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اشعار پیش ہیں۔

شہنشاہ وفا صدیق اکبر
وزیر مصطفیٰ صدیق اکبر

نمایاں ہے رہِ صدق و صفا میں
تمہارا نقش پا صدیق اکبر

کفیل عزیزی نے صالحین امت، اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کی مناقب بھی کہی ہیں جو فکری وفنی محاسن سے مالا مال ہیں۔ان بزرگوں کی شان میں منقبت نگاری کے ذریعے آپ نے نہ صرف اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے بلکہ ان مقدس ہستیوں کی سیرت و کردار اور تعبد وتقرب کی منظر کشی بھی کی ہے۔

کن آسودہ از لقمہ ات گرسنہ را
یکے از سگان تو ام غوث اعظم

فکر رسا کے بس کی نہیں ارتقائے غوث
ہم سائگی فلک سے کرے ہے سرائے غوث

جو تیری مے سے مرے خواجہ مست ہو جائے
وہ کامیاب سر بود و ہست ہو جائے

کفیل عزیزی ایک متبحر عالم و فاضل ہونے کے ساتھ ساتھ بحر عرفان کے شناور بھی ہیں۔اور اہل اللہ سے خاص لگاؤ رکھتے ہیں بالخصوص اپنے پیر خانے سے آپ کی والہانہ محبت مثالی ہے جو آپ کی مناقب سے خوب عیاں ہے آپ نے اپنے دادا پیر بانی سلسلہ نوابیہ عزیزیہ قطب الاقطاب حضرت صوفی سید نواب علی شاہ رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں کثیر مناقب پیش کر کے اکابرین سلسلہ کو خراج عشق وعقیدت پیش کرنے کی روایت کو آگے بڑھایا ہے۔آپ کی ان مناقب میں جذبے کا وفور پایا جاتا ہے۔ نیز پیر و مرشد سے وارفتگی و شیفتگی، ان کے کرم پر کامل بھروسہ، خانقاہ کے ذرے ذرے کے لیے جذبات جاں نثاری، مرشد کے وسیلے سے حاجت برآری، رضائے مرشد کا حصول وغیرہ جیسے مضامین ملتے ہیں۔

آپ کو آستانہ مرشد کے انوار و تجلیات کے سامنے سورج بھی گہنایا ہوا اور مدہم نظر آتا ہے۔ آپ در نواب کی گدائی کو رشک صد سروری قرار دیتے ہیں۔ رنج و آلام سے نجات اور مشکلات کے حل کے لیے آپ کو یہ در عالی ہی کافی ہے۔

خلوص شرط نہیں جسم ہے طریقت کا
اگر یہ سچ ہے تو پھر جان ہیں شہ نواب

یہ شاخ حیدری وسعت میں مثل شاخ طوبیٰ ہے
یہ قاضی پور آ پہنچی ہے راہ کربلا ہو کر

ہر بلا میں لب پہ بس دو نام ہیں
حضرت مولا علی، نواب شاہ

مزار حضرت نواب قبلہ گاہ من است
بہ بندگی رہ اہل دلاں کہ راہ من است

در نواب آں بیکس پناہے
ز طوفاں بے خطر ایں جاست کاہے

تو شمع انجمن در بزم خاصاں
دریں حرفم نہ ریب و اشتباہے

مثنوی فارسی الاصل صنف ہے۔ جو فارسی سے اردو میں منتقل ہوئی۔ مثنوی کا لفظ مثنیٰ سے ہے جس کا مطلب ہے دو دو، چوں کہ مثنوی میں دو دو ہم قافیہ مصرعوں کا تسلسل پایا جاتا ہے اس لیے اسے مثنوی کہا جاتا ہے۔ اس کے سات اوزان مقرر ہیں۔ اس وسیع شعری ہیئت میں ہر طرح کے مضامین سما سکتے ہیں قدیم دور میں یہ صنف خاصی مروج و مقبول تھی اور اسے قصہ گوئی، تاریخ نگاری اور فطری حسن کی عکاسی وغیرہ کے لیے برتا جاتا تھا مشہور اردو مثنویوں میں سحر البیان، گلزار نسیم، رموز العارفین اور ساقی نامہ وغیرہ شامل ہیں۔ کفیل عزیزی نے مثنوی کی ہیئت میں بھی اپنے دادا پیر کی منقبت کہہ کر اپنی دلی وابستگی کا اظہار کیا ہے آپ کی یہ مثنوی ۷۰ اشعار پر مشتمل ہے اور سلاست و روانی، تسلسل و تواتر، فصاحت و بلاغت، منظر نگاری اور زبان و بیاں کے متعدد محاسن پر مشتمل ہے۔ اس منقبتیہ مثنوی کے بیشتر مضامین مدح و ثنا پر مشتمل ہیں مثنوی کی ابتدا شہ نواب رضی اللہ عنہ کی توصیف رقم کرنے والے قلم کی مدح سے ہوتی ہے جس سے تحریر ہونے والا لفظ لفظ صاحب مدح کے ذکر جمیل کی بدولت مثل کہکشاں منور ہے۔ اس کے بعد مثنوی کا رخ حضور قطب الاقطاب حضور سید نواب علی شاہ رضی اللہ عنہ کے فضائل و خصائل کی جانب مڑتا ہے اور ایک تسلسل سے آپ رضی اللہ عنہ کے تعلق باللہ اور عشق رسول ﷺ کا ذکر ہے۔ اس مثنوی میں صاحب منقبت کی حیات طیبہ سے صبر و شکر اور تسلیم و رضا کا ایک واقعہ بھی پوری جزئیات کے ساتھ نظم کیا گیا ہے۔ پھر شاعر ممدوح نے آپ کے تجحر علمی، شرافت و نجابت، اور صورت و سیرت کا ذکر کیا ہے۔ اور خلق خدا کو راہ راست پر گام زن کرنے کے لیے آپ کی مساعی جلیلہ کو بیان کیا ہے۔ اس کے بعد صاحب سجادہ حضرت صوفی سید محمد عزیز الحسن شاہ عزیز نوابی لیاقتی ابوالعلائی دام ظلہ کا ذکر خیر کیا گیا ہے۔ التماس دعا پر اس مثنوی کا اختتام ہوتا ہے۔ اس مثنوی سے چنیدہ اشعار ملاحظہ کیجیے۔

وہ شہ نواب جو تھے پیکر عشق رسول
ان کی تربت پر کرے اللہ رحمت کا نزول

وہ شرافت ڈھونڈ پانا جس کی مشکل ہے مثال
وہ نجابت، خاندانی عظمتیں جس پر ہیں دال

قول زریں ہے سنو! قول شہ نواب ہے
جز پئے خیر الوریٰ منزل خیال و خواب ہے

کفیل عزیزی شاعری کی دیگر اصناف کے ساتھ ساتھ تضمین نگاری پر بھی خاصی دسترس رکھتے ہیں۔آپ نے کئی معروف فارسی شعرا کے کلام پر تضامین کہی ہیں جیسے مولانا روم،شیخ سعدی شیرازی،حافظ شیرازی،امیر خسرو،کشفی،مخفی وغیرہم۔

تضمین کاری میں شاعر کی دقت نظری اور وسعت فکری کا امتحان مقصود ہوتا ہے زیر تضمین کلام کے تخلیق کار کی مراد و منشا تک رسائی اور اس کی ذہنی رو کے ہم رکاب ہونا کامیاب تضمین کے لیے لازمے کی حیثیت رکھتا ہے۔کفیل صاحب کی تضامین بھی ان فنی محاسن و روائع سے مزین ہیں جن کا یہ فن مقتضی ہے۔آپ نے نہایت مشاقی اور ہنر مندی سے فارسی کے مسلم الثبوت استاذ شعرا کو خراج تحسین پیش کیا ہے چوں کہ کفیل صاحب دیندار،صوفی منش اور خانقاہی شخص ہیں اسی لیے آپ کی بیشتر تضامین صوفی شعرا کی غزلیات پر ہیں آپ نے تضمین کرتے ہوئے کلام کی صوفیانہ و عارفانہ فضا برقرار رکھنے کی پوری کوشش کی ہے اور نہایت چابک دستی سے مصرع سازی اور مضمون آفرینی کے جوہر دکھائے ہیں جس سے نہ صرف آپ کے فکر و فن کی

صلابت عیاں ہوتی ہے بلکہ آپ کے افکار و عقائد کی نمائندگی بھی ہوتی ہے آپ کی تمام تر تضمینات مخمس کی ہیئت میں ہیں۔ آپ نے اس ہیئت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تین تین مصرعوں کی رعایت سے کہیں کلام مضمن کی توضیح کی ہے اور کہیں توسیع کرتے ہوئے اصل کلام کے لطف کو دو چند کر دیا ہے۔

مولانا روم جو محرمان اسرار تصوف سے ہیں آپ کا کلام "نہ من بیہودہ گرد کوچہ و بازارمی گردم" گرمی عشق، سوز دروں اور جذب و سرمستی کی کیفیات کا مظہر ہے اور اہل دل میں بے حد معروف ہے۔ یہ کلام بھی تضمین کاروں کا مرکز توجہ رہا ہے۔ کفیل صاحب نے اس کلام کی تضمین میں اصل کلام سے ایسی ہم آہنگی اور یک رنگی پیدا کی ہے جس سے اہل ذوق ہی کما حقہ حظ اٹھا سکتے ہیں بہ طور مثال مولانا کے مذکورہ کلام کا ایک شعر ہے:

ہزاراں غوطہا خوردم دریں دریائے بے پایاں
برائے گوہر معنیٰ بہ دریا قعر می گردم

مولانا روم کے اس شعر کی توضیح و تصریح کرتی ہوئی کفیل عزیزی کی تضمین دیکھیے جس میں آپ نے گوہر معنیٰ کے متلاشی اور بحر معرفت کے غواص کی مساعی کو خوب عیاں کیا ہے۔ لطف کی بات یہ بھی ہے کہ اگر تضمین کے تیسرے مصرع اور زیر تضمین شعر کے اولیٰ مصرع کو ملا کر پڑھا جائے تو وہ ایک مفرد کلام معلوم ہو رہا ہے۔

رہا ہوں اس سمندر کے لیے برسوں میں سرگرداں
تلاش اس کی ہے جس سے ہو مجلیٰ دیدۂ ویراں
نہیں میں وہ کہ سطح آب پر پھرتا رہوں حیراں
"ہزاراں غوطہا خوردم دریں دریائے بے پایاں
برائے گوہر معنی بہ دریا قعر می گردم"

کفیل صاحب نے فارسی غزل کو اوج کمال تک پہنچانے والے حافظ شمس الدین شیرازی کی کئی غزلیات کی بھی تضامین کی ہیں جن میں آپ کی مشہور زمانہ غزل ''الایا یہا الساقی ادر کاسا و ناولہا'' بھی شامل ہے کفیل عزیزی نے اس کلام کی کیا خوب تضمین کی ہے ملاحظہ کیجیے۔

گل گلزار عالم ہے ترے جلوؤں کی اک ابجد
کہ تیرا حسن بے پایاں رہا ہے بے نیاز حد
غنیمت ہے کہ بے پردہ ہوا اب تک نہ تیرا قد
''بہ بوئے نافۂ کآخر صبا زاں طرہ بکشاید
ز تاب جعد مشکینش چہ خوں افتاد در دلہا''

حافظ کا مندرجہ ذیل شعر "انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض ....الخ کی عکاسی کر رہا ہے۔کفیل عزیزی نے تضمینی مصرعوں میں بار امانت اٹھانے کے ضمن میں آسمان کے رد اور حضرت انسان کے قبول کو مزید معنویت اور وسعت کے ساتھ پیش کیا ہے۔

گوش دل سے ہو سماعت مری مجمل تمہید
بزم شوریٰ میں ہوئی کارکنوں کی تجدید
خوب اس نظم جہاں پر بھی ہوئی گفت و شنید
''آسماں بار امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند''

کفیل نے شیخ سعدی شیرازی کے کلام پر عمدہ تضامین کی ہیں شیخ سعدی کے اشعار میں فنائیت، خود سپردگی اور سوز والتہاب کا ایک عالم آباد ہے۔کفیل عزیزی نے انہیں کیفیات کی توسیع کے ذریعے تضمین کا لطف فزوں تر کر دیا ہے۔

جادۂ محبت کے جب ہوئے مراحل طے
ہر نفس کی نَے میں ہے حق کی بندگی کی لے
ان ریائی سجدوں کی اب بھی کیا ضرورت ہے
"رفتنم پیۓ سجدہ حاجتے بہ مسجد نے
طاق ابروئے جاناں خانۂ خدا این است"

امیر خسرو کے مندرجہ ذیل شعر میں تضمین کاری کا حسن دیکھیے۔

کہے سارا جہاں مجھ کو اگر کہتا ہے دیوانہ
نہ طعنوں کی مجھے پروا، نہ طعنہ زن سے کچھ شکوہ
فقط ہے آرزو بڑھتا رہے شوق طلب میرا
"دلم در عاشقی آوارہ شد، آوارہ تر بادا
تنم از بے دلی بے چارہ شد بے چارہ تر بادا"

کفیل عزیزی نے فارسی شعرا کے ساتھ ساتھ چند اردو شعرا کے کلام پر بھی تضمینات کی ہیں۔ دستیاب نمونے میں سے حضرت نور کے کلام پر گرہ کا ایک نمونہ ملاحظہ کیجیے۔

شاخوں کے سر سرور سے اب ہلنے والے ہیں
دامان چاک پھولوں کے اب سلنے والے ہیں
گل شادمانیوں سے گلے ملنے والے ہیں
"گلشن تمام دہر کے اب کھلنے والے ہیں
باد صبائے کوئے نبی کا ہے انتظار"

غزل سحر کاری، نازک بیانی احساسات کی ترجمانی کے لیے معروف ہے۔کفیل عزیزی نے بھی غزل کو اپنی فکری وقلبی واردات کے اظہاریے کے طور پر چنا ہے آپ ایک طویل عرصے سے وادیِ غزل میں فروکش ہیں اور اپنی عمر عزیز کا بیشتر حصہ غزل گوئی میں صرف کر چکے ہیں اسی لیے آپ کے شعری سرمائے میں غزل کی بھی خاصی تعداد موجود ہے۔آپ ادب برائے ادب کے نظریے کے قائل ہیں۔ ادب کی جمالیاتی اقدار سے سمجھوتا کرنے اور اسے محض کسی نظریے کے پرچار کا ذریعہ بنانے کے حق میں نہیں ہیں آپ کے تخلیق کردہ ادب کا مقصد آپ کے اپنے ذوق کی تسکین ہے۔آپ قلبی کیفیات ومحسوسات کو پیکر تغزل میں ڈھال کر اپنی اور قارئین کی تفریح طبع کا اہتمام کرتے ہیں۔آپ کی غزل ہلکے پھلکے انداز میں کئی سنجیدہ پیغام دیتی ہوئی محسوس ہوتی ہے لیکن غزل کی عمومی فضا بوجھل اور ثقیل نہیں ہونے پاتی۔آپ کی غزل پر فارسی کلاسیکی غزل کا اثر غالب ہے۔آپ کی غزل روایت کا دامن تھامے ہوئے معاصر ادبی رجحان پر کاربند ہے۔روایت کے تتبع اور پاس داری کے جلو میں کہیں کہیں تازہ کاری اور جدت کی چمک دمک بھی نظر نواز ہوئی ہے۔آپ نے بیشتر اشعار میں کہنہ مضامین کو اپنے مخصوص انداز میں نظم کر کے تخلیقی قوت اور زور بیان کا ثبوت دیا ہے۔

سلگتے دشت و صحرا میں بڑے آرام سے گزری
ہوئی تشنہ لبی روشن کنار آبجو میری

اپنے سر پہ لے دے کے آسماں کی اک چھت ہے
یہ بھی روٹھ جائے تو سر کہاں چھپائیں گے

دوستوں پہ فخر، وعدوں پر یقیں، رشتوں پہ ناز
موم کی بیساکھیوں پر میں سفر کرتا رہا

کفیل عزیزی کے نزدیک غزل کے دل دادہ تو سبھی ہیں لیکن غزل ایسے سخن طرازوں کو چاہتی ہے جو مشقت آشنا طبیعت کے حامل اور مداومت و مزاولت کے خوگر ہوں۔آپ کے نزدیک معیاری غزل وہ ہے جو جملے میں کہانی اور چند حرفوں میں صد ہزار معانی سمو دینے کی خاصیت رکھتی ہو۔مصارع میں روانی، موضوعات کی فراوانی، عرق ریزی و جانفشانی کو ہی آپ اچھی غزل کی شرائط شمار کرتے ہیں۔ بندش الفاظ کے ہم راہ اثر انگیزی و نتیجہ خیزی کو بھی اشد ضروری خیال کرتے ہیں۔آپ کے نزدیک تخلیق اور تنقید کا چولی دامن کا ساتھ ہے تنقید کے بغیر تخلیق منازل ارتقا طے کرنے سے عاجز و قاصر رہتی ہے اس کے ساتھ آپ عصر حاضر کے کچھ ناعاقبت اندیش شعرا سے شکوہ کناں بھی ہیں جو تنقید کو تذلیل و تحقیر شمار کرتے ہیں اسی لیے ایسے شعرا کے فکر و فن جمود کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان کا شعری سفر تنزل کا شکار ہو جاتا ہے۔

بہ حرفے صد معانی چاہتی ہے
غزل جادو بیانی چاہتی ہے

بندش الفاظ ہی کافی نہیں ہوتی کفیل
بات وہ کہیے جو رکھے خود میں کچھ تاثیر بھی

یہ غم نہیں تخلیق میں تنقید ہوئی ہے
ہم خوش ہیں کہ فنکار میں فن جاگ رہا ہے

کفیل صاحب قادر الکلام شاعر معلوم ہوتے ہیں۔ ہر تجربے، ہر محسوس بات اور ہر خبر کو بھرپور قوت ابلاغ سے مزین کر کے انشا میں ڈھال دینا ہر شاعر کے حصے میں نہیں آتا، کفیل صاحب میں زبان و بیان کے مناسب استعمال کی صلاحیت ہے۔ تعلیم کے بعد تعلم نے آپ کی ان صلاحیتوں کو توانا کیا ہے۔ آپ کی شاعری میں افکار کا بھرپور ابلاغ موجود ہے۔ کم ہی اشعار ایسے ہوں گے جن میں ابہام یا تعقید پائے جاتے ہوں۔ کفیل صاحب کی غزل موضوعات کی بوقلمونی اور نیرنگی کی بہ دولت جاذب قلب و نظر ہے۔ آپ نے تجارب حیات اور مشاہدات روزگار کو دل کش پیرائے میں پیش کیا ہے محبت کی متنوع کیفیات، زندگی کے ہمہ رنگ پہلو، حسن فطرت کے طلسم زا نظارے، احباو اصدقا کا تغافل، اعداو حرفا کی حیلہ سازیاں، اندرون ذات کا سفر، حقیقت کی کرب ناکی، خوابوں کی شکست و ریخت، خوش گمانیوں کے سراب وغیرہ آپ کے اہم موضوعات ہیں۔ آپ کی غزل کی لفظیات و رمزیات روایتی ہیں آپ نے منفرد لفظیات کی تلاش میں دقت نظری سے کام لینے کی بجائے سادہ اور مروج الفاظ کے ذریعے عمدگی سے اپنے مافی الضمیر کو بیان کیا ہے آپ کے لفظی سرمائے میں فارسی اور عربی الفاظ کی بھی کثرت موجود ہے۔ آپ کی غزلیات میں ایسے اشعار بھی موجود ہیں جو سہل ممتنع کی بہترین مثالیں ہیں جیسے۔

وہ ہوا پر سوار بادل ہیں
ہم جنہیں سائباں سمجھتے ہیں

پھر میں دیکھوں کیسے چوری ہوتی ہے
اپنے دل آنگن کی خود نگرانی کر

وقت اچھا برا نہیں ہوتا
لوگ اتنا کہاں سمجھتے ہیں

غزل گو شاعر محبت اور اس کے لوازمات پر اظہار خیال نہ کرے یہ ممکن ہی نہیں۔ موضوع کی وحدت کے باوجود ہر شاعر محبت اور اس کے احساسات کو اپنے اپنے انداز میں بیان کرتا ہے کیوں کہ عشق و محبت کسی کے لیے حاصل حیات اور کسی کے لیے غم حیات بن جاتے ہیں کوئی محبت کو نور اور کوئی نار سے تعبیر کرتا ہے کفیل عزیزی کی غزل میں بھی عشق و محبت، دل فگاری و جاں سوزی اور ہجر و وصال کا بھرپور ذکر موجود ہے۔ مگر آپ کے ہاں عشق و محبت محض آہ و زاری، حسرت و یاس اور ناکامی و نامرادی سے تعبیر نہیں بلکہ محبت تو کیف و سرور اور رنگ و نور سے عبارت وہ جذبہ ہے جو دل کو کشادہ، روح کو آسودہ اور احساسات کو نازک تر کر دیتا ہے آپ کے نزدیک معراج محبت یہی ہے کہ محبوب راضی رہے۔ یہ ظاہر محبوب کی معیت نہ بھی نصیب ہو مگر دل، روح اور حیات اسی کی یادوں کے زیر اثر رہتے ہیں۔

شاخ گل تھا کہ اس کا شگفتہ بدن
ذہن کو میرے منظر کشی دے گیا

تجھ کو معلوم ہے بس تو ہی مری دنیا ہے
میں کہاں جاؤں بھلا تجھ سے کنارا کر کے

ڈھونڈنے سے بھی نہ مل پائے گا اب میرا وجود
تم نے اچھا نہ کیا قطرے کو دریا کر کے

پت جڑھ میں بھی کچھ برگ و ثمر چھوڑ گیا ہے
موسم ترے آنے کی خبر چھوڑ گیا ہے

مدتوں کے بعد اس کی یاد ایسے آئی ہے
جیسے ابر موسم میں چاندنی نکل آئے

عصرِ موجود کی تلخی سے گھبرا کر ماضی کی گپھاؤں میں پناہ لینا انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ بالخصوص اہل عشق و محبت یادوں کا زادِ راہ لیے شاہ راہ زیست پر گام زن رہتے ہیں۔ دل پر غم و الم کے ابر چھائیں تو محبوب کی یادوں کی چاندنی تسکین خاطر کا سامان کرتی ہے۔ یہی یاد بہ یک وقت درد بھی ہے درماں بھی، مسیحا بھی چارہ گر بھی۔ امید کی کرن بھی ہے تیقن کا چراغ بھی۔

در آیا در دل میں تری یاد کا جھونکا
ماحول میں پھر مشک ختن جاگ رہا ہے

دھڑکن میں ابھی تک انہی قدموں کی ہے آہٹ
مدت ہوئی وہ شخص یہ گھر چھوڑ گیا ہے

ہر گھڑی تیرا تصور ہر گھڑی تیرا خیال
کچھ نہیں ہے قید صبح و شام اب میرے لیے

کفیل عزیزی کی شاعری میں شاعرانہ تعلّی کا عنصر بھی جا بہ جا نظر آتا ہے تعلی علو سے ہے یہ لفظ تسفل کی ضد ہے۔ تعلّیٰ کا معنیٰ ہے بڑائی، برتری، عظمت، تکبر وغیرہ، شاعر کا

اپنی فنی عظمت کی دھاک بٹھانے یا معاندین سخن کو للکارنے کے لیے خود ستائی و خود نمائی کرنا تعلّی ہے۔ تعلّی کا مضمون مطلع سے مقطع تک کہیں بھی پایا جا سکتا ہے البتہ مقطع میں تعلّی کے مضامین نظم کرنے کا چلن عام ہے اردو زبان کے کم و بیش ہر شاعر کے ہاں تعلّی کے اشعار پائے جاتے ہیں ہر شاعر نے اظہار ذات اور ستائش فن کے لیے دل چسپ اور متنوع اسالیب اور پیرائے اختیار کیے ہیں۔ جیسے خود ستائی، مدح شاعر بہ زبان دیگر، اساتذہ سے داد طلبی وغیرہ، بعض شعرا کے یہاں تعلّی شوخی و شرارت سے طنز و تشنیع اور دوسروں کی تحقیر و تذلیل تک جا پہنچی۔ اور تو اور اساتذۂ سخن بھی اس تحقیر کی لپیٹ میں آ گئے۔ بعض شعرا کی تعلّی صدق بیانی کے زمرے میں آتی ہے جب کہ بیشتر شعرا کے ہاں یہ مبالغہ آرائی اور زمین و آسمان کے قلابے ملانے کی وجہ سے محض لفظی تماشا اور گورکھ دھندا بن جاتی ہے۔ تعلّی سے شاعر کی ذاتیات و نفسیات کا تجزیہ کیا جا سکتا ہے۔

کفیل عزیزی کے اشعار میں تعلّی ملاحظہ ہو۔

محرک مجھ کو رکھتی ہے سدا سیماب خو میری
نہیں پابند منزل کی تلاش و جستجو میری

ہم رہیں گے لوگوں کے دل میں دھڑکنیں بن کر
ہم کو بھولنے والے بھی نہ بھول پائیں گے

ہم وہ کر کے چھوڑ جائیں گے کفیل
تبصرے ہوں گے ہماری ذات پر

برس پڑتی ہیں آنکھیں دل کے دامن بھیگ جاتے ہیں
غزل پڑھتے ہیں اکثر لوگ ہو کر با وضو میری

کفیل صاحب کی شاعری میں ایسے سبق آموز اور نصیحت آمیز اشعار بھی موجود ہیں جن میں آپ نے اپنے تجربات کا نچوڑ اور مشاہدات کا عکس پیش کیا ہے۔ پند و نصائح پر مبنی ان اشعار میں آپ کبھی تنبیہی اور کبھی توعیظی انداز اختیار کر کے مخاطبین کو عزم مصمم اور عمل پیہم کا درس دیتے دکھائی دیتے ہیں۔آپ کے نزدیک راہ حیات کے مصائب و آلام سے گھبرا جانا، منزل کو دور جان کر عزم سفر ترک کر دینا اور ہر پڑاؤ کو منزل سمجھ لینا مرد میدان کا وتیرہ اور شیوہ نہیں۔طول غم کی ظلمت سے گھبرانے کی بجائے اپنے حصے کا چراغ جلانے والے نہ صرف اپنی بلکہ دوسروں کی بھی نجات کا باعث بنتے ہیں۔

ایک جگنو کی تب و تابش بھی کیا
ہے اثر انداز پھیر بھی رات پر

لہٰذا تلاش و جستجو اور تحرک و تقدم کا تسلسل ہی کامرانی کی دلیل ہے۔صاف و شفاف پانی اپنی روانی کی بہ دولت صاف ہے۔آب رواں کا سکون و جمود اسے بدبو دار جوہڑ بنا دیتا ہے۔یونہی انسان کی پست ہمتی اور بے حوصلگی اسے بلند مراتب سے محروم کر دیتی ہے اور غواص طبع لوگ کامرانی کا گوہر نایاب پا لیتے ہیں۔

یا ثابت کر اپنے زندہ ہونے کو
یا اپنی مٹی پر گل افشانی کر

یہی ہے انحطاط عقل کی منزل، سمجھ لینا
بہ زعم خویشتن خود کو کسی قابل سمجھ لینا

خیال و خواب کر دے گا ترا منزل سمجھ لینا
قدم رکھنے سے پہلے راستہ مشکل سمجھ لینا

کفیل عزیزی نے معاشرے میں تیزی سے پنپنے اور فروغ پانے والی اخلاق سوز عادات کا ذکر بھی کیا ہے جیسے مادیت پرستی، جھوٹ اور فریب، بے جا نمائش، تصنع وغیرہ۔

اب جھوٹ پا رہا ہے مرے گھر سے بھی فروغ
کہہ دے گا میرا بیٹا کہ گھر پر نہیں ہوں میں

تو اہل علم ہے بے جا نمائشوں سے بچ
وہ اہل زر ہیں انہیں خوش لباس رہنے دے

ہو جنس کیسی کسی کو نہیں ہے فکر کفیل
یہ سب کی سوچ ہے اونچی دکان ہو جاؤں

کفیل صاحب نے اپنی غزل میں کہیں کہیں حسین قدرتی مناظر کی عکاسی کے ساتھ ساتھ مظاہر فطرت کے ذریعے تشبیہ واستعارے کا رنگ جما کر زور بیان پیدا کیا ہے جس سے اشعار کی معنویت فزوں ہوگئی ہے۔ آپ فطری مناظر کے حسن اور سادگی سے حد درجہ متاثر ہیں آپ نے فطرت کو بہت قریب سے دیکھا اور محسوس کیا ہے آپ کی غزل میں بادصرصر کے تھپیڑے، بادصبا کی تھپکیاں، سورج کا نظریں چرانا، آمد بہار، سرسبز وادیاں، لہلہاتے کھیت، خیال کے ماہ منیر اور وسعت صحرا وغیرہ باصرہ نواز ہوتے ہیں۔

پھر باد بہاری سے چمن جاگ رہا ہے
پھر دل میں مرے رنج و محن جاگ رہا ہے

مضراب شفق تار سحر چھیڑ رہی ہے
رقاصۂ فطرت کا بدن جاگ رہا ہے

باد صرصر کی دھمک ہے کہ صبا کی تھپکی
اتنے ناداں بھی نہیں ہیں گل تر جانتے ہیں

یہ وادیِ پرکیف یہ سرسبز ہوائیں
جیسے کوئی لہراتی چنر چھوڑ گیا ہے

موجودہ تکنیکی ارتقا نے بہ ظاہر انسان کو آسائشیں تو مہیا کی ہیں لیکن اسے تعیش پرست اور ناکارہ کر دیا ہے۔ یہ عیش پرستی اس کی ذہنی صلاحیتوں کو اندر ہی اندر دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے۔ ترقی کی تیز رفتاری انسان کو مشینوں کی مثل لاتعلق اور بیگانہ بنانے کے درپے ہے۔ آج کے دور میں صحائف دل محبت کے لفظ سے خالی ہو چکے ہیں اور ان کے ہر ہر ورق پہ بے حسی رقم ہے۔ فیکٹریوں کی بہتات، ایندھن کی افزودگی اور جنگلات کی کٹائی گلوبل وارمنگ پر منتج ہوئی ہے حالات کی یہ سنگینی نہ صرف نباتات اور طائران چمن کے لیے پیام موت ہے بلکہ انسان کے لیے بھی از حد مضر ہے لیکن ترقی کی چکا چوند میں انسان اس مہلک و تاریک پہلو سے صرف نظر کر کے اپنی نسلوں کی بقا سے کھیل رہا ہے۔ کفیل عزیزی کی شاعری میں ہمیں یہ عصری

موضوعات مختلف انداز میں نظر آتے ہیں۔آپ کائنات ارضی اور انسان کے مستقبل کے متعلق اندیشوں کا شکار ہیں۔اور مشینی ترقی کو عذاب مسلسل سے عبارت کرتے ہیں۔

یہ عہد نو سب کے سر پہ کیسا ہوا مسلط عذاب جیسا
نہ مرد میداں کوئی جوانی نہ کوئی چہرا کتاب جیسا

اب کے رتوں کے طور طریقے بدل گئے
پھولوں کے جسم قطرۂ شبنم سے جل گئے

برسی ہے آگ وہ کہ نشیمن شجر تو کیا
نظروں کے دائرے سے پرندے نکل گئے

خانقاہی شاعر کا طائر تخیل غزل سرائی اور محبوب مجازی کے ذکر کے دوران بھی رہ رہ کے چمنستان حقیقت میں پڑاؤ کرتا ہے۔اور یوں غزل کے نسبتی اشعار تخلیق ہوتے ہیں جو کسی شاعر کے مجاز پر حقیقت کے غلبے کا اشارہ ہوتے ہیں کفیل عزیزی کی غزل میں بھی نسبتی رنگ کے اشعار موجود ہیں۔آپ کے نسبتی اشعار وفور محبت، جذب و کیف اور دل گدازی وجاں سپاری کی کیفیات سے مملو ہیں آپ اپنے ہادی و مرشد سے قلبی و روحانی وابستگی، دیار مرشد سے والہانہ لگاؤ اور مرضی مرشد پر چلنے کو جان ارادت خیال کرتے ہیں۔تصوف کے متنوع مضامین بھی آپ کے اشعار غزل میں موجود ہیں۔بہ طور مثال چند اشعار ملاحظہ کیجیے۔

حدود عقل کی پیمائشیں سو بار ممکن ہیں
مگر ممکن نہیں پیارے مقام دل سمجھ لینا

پاتے رہتے ہیں مظاہر میں ترا عکس جمال
کچھ تجھے ہم بھی بہ عنوان دگر جانتے ہیں

اس طرح لطف ملاقات اٹھا لیتا ہوں
ان سے مل لیتا ہوں جو تیری خبر جانتے ہیں

بے بصر تھا تو نظر آتا تھا ہر جانب تو
اب ہے کیوں پردہ مجھے دیکھنے والا کر کے

کفیل عزیزی نئے شعری آفاق کی تلاش میں سرگرداں ہیں ابھی انہیں شعری میدان میں اپنی فتوحات کے کئی پرچم نصب کرنے ہیں وہ اس دعا کے ساتھ سفر شعر گوئی پر گامزن ہیں۔

اجل نہ دے ابھی دستک حیات کے در پر
بہت سا کام ادھورا پڑا ہوا ہے ابھی

# "مژدۂ رحمت" ایک جائزہ

تذکرہ نگاری کے ساتھ ساتھ انتخاب کلام کی روایت بھی ہماری ادبی تاریخ کا اہم حصہ ہے۔ انتخاب کلام محض اس امر کا نام نہیں ہے کہ مرتب کسی شاعر کے کلام میں سے اپنے ذوق اور طبیعت کے موافق کچھ کلام منتخب کر لے بلکہ انتخاب کلام کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ قارئین قلیل وقت میں کسی شاعر کے فکر وفن سے کماحقہ واقف ہوسکیں۔ اس مقصد کے لیے تنقیدی شعور کا ہونا اشد ضروری ہے جس کے تحت مرتب شاعر کے اسلوب کی شناخت کر کے اس کے نمائندہ کلام الگ کر سکے۔ تاکہ شاعر کا اسلوب پوری طرح عیاں ہو جائے۔

آج کے تیز رفتار دور میں وقت کی قلت بھی ایک مسئلہ بنتی جا رہی ہے اور کتب بینی کے رجحان میں کمی دیکھنے کو مل رہی ہے۔ ایسے وقت میں شعرا کے مکمل دواوین و مجموعہ جات کا مطالعہ کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں اسی لیے اکثر و بیشتر انتخاب کلام نظروں سے گزرتے رہتے ہیں جیسے انتخاب کلام میر، انتخاب کلام داغ اور انتخاب کلام ظفر وغیرہ۔ لیکن کسی خاص صوفیانہ دبستان کے شعرا کے شعری انتخاب کم کم ہی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ علی الخصوص خانقاہی شعرا کا نعتیہ انتخاب تو پہلی بار ہی دیکھنے کو ملا۔ **خانقاہ نوابیہ عزیزیہ** کے اشاعتی ادارے **"دبستان نوابیہ عزیزیہ پبلیکیشنز"** کے انشا سے تا حال اردو ادب اور خصوصاً نعتیہ ادب کے فروغ کے ضمن میں شعری و نثری مطبوعات کا سلسلہ بلا انقطاع جاری ہے **"مژدۂ رحمت"** اسی تسلسل کی ایک اہم کڑی ہے۔ یہ کتاب سلسلہ نوابیہ عزیزیہ سے وابستہ شعرا و ادبا کے

حالات زندگی اوران کے کلام سے تعارف اور شناسائی کا اولین منبع ہے۔اس انتخاب کو استاد گرامی قدر **سید محمد نور الحسن نور نوابی عزیزی** نے ترتیب دے کر مارچ ۲۰۲۰ء میں شائع کروایا۔مرتب کتاب نے اپنی اس علمی و تحقیقی کاوش کو اپنے والد گرامی و مرشد کامل حضرت الحاج صوفی سید نواب علی شاہ علیہ الرحمۃ والرضوان کے نام منتسب کیا ہے۔ایک سو بتیس صفحات پر مشتمل یہ کتاب درج ذیل آٹھ شعرا کے سوانحی خاکوں اور نمونہ کلام پر مشتمل ہے۔

۱:حضرت صوفی سید محمد عزیز الحسن عزیز نوّابی

۲:سید محمد نور الحسن نور نوّابی عزیزی

۳:سید محمد مجیب الحسن مجیب نوّابی عزیزی

۴:شیخ محمد الیاس انجم نوّابی

۵:یاور وارثی عزیزی نوّابی

۶:حبیب سرور عزیزی نوّابی

۷:کفیل احمد عزیزی نوّابی

۸:شمائلہ صدف عزیزی نوّابی

اگرچہ مژدۂ رحمت کو صاحب کتاب نے خود انتخاب کا عنوان دیا ہے لیکن یہ کتاب روایتی انداز کے انتخاب کلام سے کہیں زیادہ نفع بخش ہے کیوں کہ اس میں تذکرہ نگاری کی مثل پہلے تمام شعرا کی زندگی کے متعلق اہم معلومات کو یکجا کیا گیا ہے جیسے ولادت، اسم گرامی مع تخلص، ولدیت، علمی لیاقت، پیشہ، سکونت، مشاغل، اساتذۂ سخن، شرف بیعت، مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتب کا ذکر، مرتب کتاب نے نہایت مدبرانہ انداز میں شعرا کے متعلق ہر اس ضروری بات کو جمع کیا ہے جو قارئین اور بالخصوص

محققین کو شاعر کی شخصیت سے روشناس کروا سکیں۔ سوانحی معلومات کے بعد ہر شاعر کے گیارہ گیارہ نعتیہ کلام بہ طور انتخاب پیش کیے گئے ہیں۔

مرتب کتاب نہ صرف تخلیقی بلکہ تحقیقی و تنقیدی شعور رکھتے ہیں آپ نے سلسلۂ نوابیہ عزیزیہ کے شعرا کے وہ کلام چنے ہیں جو ان کے فکری و فنی زاویوں، اسلوب بیان اور طرز ادا کے نمائندہ ہوں۔ کلام منتخب کرنے کے ضمن میں آپ نے بحروں کے تنوع کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔

اگرچہ مژدۂ رحمت میں مذکور شعرا محض نعت گو ہی نہیں ہیں بلکہ غزل اور دیگر اصناف شاعری میں بھی ید طولیٰ اور مکمل دسترس رکھتے ہیں لیکن اس انتخاب میں صرف نعتیہ کلام ہی زینت کتاب کیا گیا ہے۔ ہاں مگر ان نعتوں کے ذریعے بھی صاحبان ذوق کو شعرا کے رنگ سخن، اسلوب نگارش اور طرز ادا کا بھرپور ادراک ہو جاتا ہے۔ البتہ اس کتاب میں شامل شعرا کے کلام پر کسی بھی قسم کے تبصرے، تجزیے اور رائے زنی سے اجتناب کیا گیا ہے جس کا سبب مرتب کتاب نے ابتدائیہ میں یوں ذکر کیا ہے۔

> ''وابستگان سلسلۂ نوابیہ عزیزیہ میں کئی شعرائے کرام اپنی نعت و مناقب گوئی میں برصغیر ہندو پاک میں منفرد شناخت رکھتے ہیں لہٰذا یہ مجموعہ انہیں شعرائے کرام کی گیارہ گیارہ نعتوں کے انتخاب پر مشتمل ہے محض طوالت کے خوف سے تبصرہ جات کی اشاعت سے احتراز برتا گیا ہے۔ لیکن اس بات کا اہتمام کیا گیا ہے کہ ان شعرائے کرام کا اجمالی تعارف پیش کر دیا جائے تاکہ ان کے احوال کی تفہیم میں آسانی ہو''۔
>
> (مژدۂ رحمت ص ۱۰)

حبیب احمد محبوبی (اسلام آباد پاکستان) اپنے مضمون بہ نام ''مژدۂ رحمت ایک فیض اثر انتخاب'' میں رقم طراز ہیں۔

''مژدۂ رحمت کے مرتب سید محمد نورالحسن نورنوابی عزیزی خود بھی ایک عمدہ اور قادرالکلام شاعر ہیں جن کے کئی مجموعے پاک و ہند سے طبع ہوکر پذیرائی حاصل کر چکے ہیں۔آپ نے اپنے فن شاعری کا مثبت استعمال کرتے ہوئے سلسلۂ عالیہ نوابیہ عزیزیہ سے وابستہ شعرائے کرام کی نعوت کا عمدہ انتخاب ہمارے قلوب و اذہان کو عشق رسول سے منور کرنے کے لیے پیش کر دیا ہے یہ انتخاب دبستان نوابیہ عزیزیہ پبلیکیشنز سے شایع ہونے جا رہا ہے۔انتخاب میں آٹھ شعرا کی گیارہ گیارہ نعوت شامل ہیں۔شعرائے کرام کے مختصر احوال اور مطبوعات کی تفصیل بھی شامل کی گئی ہے جو عموماً انتخاب میں شامل نہیں کی جاتی۔حال آں کہ کم از کم اس طرح مختصر احوال شامل کرنے چاہئیں تا کہ محققین اور بالخصوص نعتیہ ادب پر کام کرنے والوں کو نمونہ کلام کے ساتھ شعرا کے احوال بھی دستیاب ہو سکیں''۔

(مژدۂ رحمت ص ۱۲)

الغرض ''مژدۂ رحمت'' کی اشاعت ایک خوش آئند قدم ہے جو صرف وابستگان سلسلۂ عالیہ نوابیہ کے لیے ہی نہیں بلکہ اہل ادب اور صاحبان تحقیق کے لیے بھی ایک گراں قدر تحفہ ہے۔